منگولن کا شکار
اشتیاق احمد

محمود، فاروق، فرزانہ

اور — انسپکٹر جمشید سیریز

ناول نمبر ۵۹۶

# مکان کا شکار

اشتیاق احمد

نام ناول ـــــ مکان کا شکار
پبلشر ـــــ طاہر ایس ملک
طبع اوّل ـــــ مئی ۱۹۹۵ء
کتابت ـــــ سعیدہ نامدار
سرورق ـــــ انداز
مطبع ـــــ زاہد بشیر پرنٹرز
قیمت ـــــ ۱۵/۰۰ روپے

اشتیاق پبلی کیشنز
۹/۱۲ نصیر آباد ـــ مسلم پورہ ـــ سانده کلاں ـــ لاہور
فون 7112969 - 7246356

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ، راستے کے درمیان مت اُترو اور نہ وہاں پاخانہ پھر دیے

سُنن ابن ماجہ شریف ، جلد سوم
صفحہ نمبر ۱۰۹ ، حدیث نمبر ۱۹۲

راستے کے درمیان سواری سے اُترنا یا رکنا ، وہاں پاخانہ یا پیشاب کرنا درست نہیں ، کیونکہ چلنے والوں کو اس سے تکلیف ہوگی — سبحان اللہ ! دین اسلام میں کوئی بات نہیں چھوڑی ، یہاں تک کہ صفائی کا انتظام بھی موجود ہے ۔

○

السلام علیکم!

میں کبھی کبھی سوچتا ہوں ـــ ناولوں کا یہ اونٹ نہ جانے کس کروٹ بیٹھے گا اور کب بیٹھے گا۔ بیٹھے گا بھی یا نہیں ـــ اب دیکھیے نا ـــ جب میں نے ادارہ قائم کیا تھا ـــ اس وقت کاغذ پچاس روپے فی رم تھا ـــ ابھی حال ہی میں جب چھوٹے ناولوں کی قیمت ۵/۰۰ روپے کی گئی ـــ اس وقت کاغذ ۲۸۰/۰۰ روپے فی رم تھا ـــ اور اب ـــ آپ نے اخبارات میں پڑھ لیا ہو گا ـــ کاغذ کا ملک میں شدید ترین بحران پیدا ہو چکا ہے ـــ کاغذ بازار میں اول تو مل نہیں رہا ـــ ملتا ہے تو بہت ہلکا کاغذ اور ۳۲۰ روپے فی رم تک بھاؤ بتایا جاتا ہے ـــ غور فرمائیں ـــ ایک دم پر اتنا زیادہ اضافہ ـــ انسان جائے تو کہاں جائے ـــ اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا



کہ میں نے یہ بات کیوں لکھی کہ نہ جانے ناولوں کا یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا ـــ ویسے مجھے یہ سرے سے بیٹھتا نظر نہیں آتا ـــ کیونکہ کاغذ کا اونٹ تو روز بروز اوپر اٹھتا جا رہا ہے ـــ

ابھی حال ہی میں یعنی چند ماہ پہلے تو قیمتوں میں اضافہ کیا تھا ـــ میں تو اب سوچتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں کہ آپ کیا خیال کریں گے ـــ

آپ کچھ خیال کریں یا نہ کریں ـــ میں یہ خیال کرنے پر مجبور ہوں کہ میں کیا خیال کروں ـــ اور کیا خیال نہ کروں ـــ خیال فرمایے ذرا ـــ

یکم اپریل ۱۹۹۵ء

## ناول پڑھنے سے پہلے یہ دیکھ لیں کہ:

- یہ وقت نماز کا تو نہیں —
- آپ کو ضروری کوئی کام تو نہیں کرنا —
- کل آپ کا کوئی ٹیسٹ یا امتحان تو نہیں —
- آپ نے کسی کو وقت تو نہیں دے رکھا —
- آپ کے ذمے گھر والوں نے کوئی کام تو نہیں لگا رکھا

اگر ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی ہے تو ناول کو الماری میں رکھ دیجئے۔ پہلے ان کاموں سے فارغ ہو جائیے، پھر ناول پڑھنے بیٹھئے۔ شکریہ:

مخلص

اشتیاق احمد

# ترقی

"ہیلو باس! میرا تعاقب کیا جا رہا ہے۔"

"اور کیا پولیس تمھارے تعاقب میں ہے؟"

"یس سر۔"

"اچھی بات ہے — تم اس وقت کون سی سڑک پر ہو؟"

"جی میں ارسلان روڈ پر ہوں۔"

"بہت خوب! ارسلان روڈ کے آخری چوراہے سے تم بائیں ہاتھ والی سڑک پر مڑ جانا — یہ سڑک تیمور روڈ کہلاتی ہے۔"

"یس سر — میں نے یہ سڑک دیکھی ہوئی ہے۔"

"یہ اور اچھی بات ہے، اس سڑک کے آخر میں نیلے رنگ کی ایک عمارت ہے — تم بے دھڑک اس عمارت میں داخل ہو جانا، وہاں میں تمھیں موجود ملوں گا اور اس کے بعد تم ہر طرح محفوظ ہو گے۔"

"کیا کہا سر — آپ موجود ہوں گے؟"

"ہاں! شاید تم اس لیے حیران ہو رہے ہو کہ آج تک تو میں تمہارے سامنے آیا نہیں۔ اب کیسے آؤں گا۔"

"یس۔ یس سر۔"

"بھئی اس میں حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ اپنے کارکنوں کو پولیس سے بچانا میرا فرض ہے۔ اور میں اس فرض کو نبھانا جانتا ہوں۔ آج تک میرا ایک کارکن بھی پولیس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اور میرا دعویٰ ہے کہ جس دن بھی میرا کوئی کارکن پولیس کے ہتھے چڑھ گیا، میں اسی روز یہ کام چھوڑ کر خود کو قانون کے حوالے کر دوں گا۔"

"یس سر۔ یہ بات سب کو معلوم ہے۔"

"بس تم آ جاؤ۔"

"او کے سر۔ میں اب مڑنے ہی لگا ہوں۔"

"دروازہ اندر سے بند نہیں ملے گا۔ تم اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دو گے۔"

"بہت بہتر سر۔"

اس نے کہا اور وائرلیس سیٹ بند کر دیا۔ ایک نظر پیچھے آنے والی گاڑی پر ڈال کر وہ بائیں طرف مڑ گیا اور یک دم رفتار مزید بڑھا دی۔ صرف ایک منٹ بعد وہ نیلے رنگ کی ایک عمارت کے نزدیک پہنچ گیا۔ ابھی تک پولیس کی گاڑی نے موڑ



نہیں مڑا تھا۔ اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، نیلے رنگ کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ لیکن اس سے ایک غلطی ہو چکی تھی۔ اور وہ یہ کہ گاڑی اس نے بالکل نیلے رنگ کی عمارت کے سامنے روکی تھی۔ جب کہ اسے چاہیے تھا کہ کچھ آگے لے جا کر یا کچھ پیچھے روک کر اس عمارت میں داخل ہوتا۔

اس کے عمارت میں داخل ہونے کے تیس سیکنڈ بعد پولیس کی گاڑی نے موڑ مڑا:

"وہ رہی اس کی کار۔" ایک پولیس والا چلایا۔

"اس کا مطلب ہے۔ وہ کار سے اتر گیا ہے۔"

"اور اتر کر اس نے دوڑ لگا دی ہو گی۔ لیکن ہم اس کے جوتوں کے نشانات کے ذریعے اس کا سراغ لگا لیں گے، آج یہ ہمارے ہاتھوں سے بچ نہیں سکے گا۔"

"بالکل! اور پھر ہماری ترقی پکی۔ ایس پی صاحب نے اس گینگ کے کسی بھی آدمی کی گرفتاری پر ترقی دینے کا وعدہ جو کر رکھا ہے۔"

"لیکن یار۔ یہ کس قدر عجیب بات ہے۔ آج تک اس گینگ کا ایک آدمی بھی گرفتار نہیں ہو سکا۔"

"ہاں! عجیب ضرور ہے۔ لیکن یہ ایک اتفاق ہی ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔"

اور پھر ان کی گاڑی نیلی عمارت کے نزدیک پہنچ گئی۔ دونوں نیچے اُترے۔ انھوں نے بغور کار کو دیکھا۔ کار کے آس پاس جوتوں کے نشانات کو دیکھا۔

"یہ دیکھو۔ کار کے دروازے کے پاس جوتے کے تازہ نشانات۔ اور یہ نشانات سیدھے اس عمارت کی طرف جا رہے ہیں۔" ایک نے کہا۔

"اوہ ہاں! یہ کام تو بہت آسان ہو گیا۔ مزا آ گیا۔ اب ترقی بالکل پکی۔" دوسرے نے کہا۔

دونوں نیلی عمارت کے دروازے تک آ گئے۔ جوتے کے نشانات بالکل صاف تھے۔

"مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا شکار اس عمارت میں ہے۔" ایک بولا۔

"لیکن شرط یہ ہے کہ وہ دوسرے دروازے سے نکل نہ گیا ہو۔" دوسرا مسکرایا۔

"پہلے یہ دیکھ لیتے ہیں کہ اس عمارت کا کوئی دوسرا دروازہ ہے یا نہیں۔"

"میں اس طرف ٹھہرتا ہوں۔ تم دوسری طرف ہو آؤ۔"

"اس کے لیے شاید مجھے دوسری گلی میں جانا پڑے گا۔"

"تو چلے جاؤ نا۔ ترقی بغیر محنت کے تو نہیں مل جایا کرتی۔"



دوسرا تیز تیز قدم اُٹھاتا چلا گیا۔ لیکن جلد ہی اس کی واپسی ہو گئی۔ اس کا چہرہ چمک رہا تھا:

"مزا آ گیا۔"

"اچھا! وہ کیسے۔ تھوڑا سا مزا مجھے بھی آنے دو۔"

"دوسری طرف کوئی دروازہ نہیں ہے۔"

"گویا وہ اندر ہی ہے۔"

"ہاں! اب ہمیں مزید فورس بلانا ہو گی۔ ایس پی ڈاہا صاحب کو اطلاع دینا ہو گی۔"

"ارے تو جلدی کرو نا۔ جھٹ۔"

وائرلیس پر ایس پی ڈاہا صاحب کو یہ اطلاع دی گئی۔ سنتے ہی وہ بولے:

"تم چوکس رہو۔ پوزیشن سنبھال لو۔ میں آ رہا ہوں۔ میرے آنے تک تم کچھ نہیں کرو گے۔ تم سمجھ گئے؟"

"یس سر۔" اس نے کہا۔

"او کے۔ میں آ رہا ہوں۔"

پندرہ منٹ بعد پولیس کی ایک بڑی گاڑی اپنے پیچھے لیے ایس پی ڈاہا صاحب وہاں پہنچ گئے۔ اپنی جیپ سے اُترتے ہوئے انھوں نے ان دونوں کو بغور دیکھا:

"اس نے باہر نکلنے کی کوشش تو نہیں کی؟" انھوں نے پوچھا۔

"جی نہیں" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"اس عمارت کو گھیر لو۔ اگر کوئی فرار ہونے کی کوشش کرے تو اس کی ٹانگوں پر گولی مارنا" انھوں نے ہدایات دیں۔

اُن کی حکم کی تعمیل کی گئی۔ اور پھر ایس پی صاحب نے ان دونوں کو اشارہ کیا:

"اب تم دستک دو۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دستک دیتے ہی تم دائیں بائیں ہٹ جانا۔ اگر اس نے فائرنگ کی تو تم ان کی فائرنگ سے محفوظ رہو گے۔ ساتھ ہی ہمارے جوان پوزیشن لیے ہوتے ہیں۔ وہ اس کی ایک نہیں چلنے دیں گے۔"

"بہت بہتر سر۔ آپ فکر نہ کریں" ایک نے کہا اور دھک دھک کرتے دل کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ اس وقت وہ سوچ رہے تھے۔ ترقی حاصل کرنا بھی کس قدر جان جوکھوں کا کام ہے۔ دروازے پر پہنچ کر ایک نے دستک دی۔ ایک منٹ گزر گیا۔ اندر سے کوئی باہر نہ نکلا۔ نہ کسی نے جواب دیا۔

اس مرتبہ پورے زور شور سے دستک دی گئی۔ ایک منٹ اور گزر گیا۔ تیسری دستک کے بعد ایس پی صاحب بولے:

"میں جان گیا۔ وہ اندر ہے اور باہر نہیں نکلے گا۔ اسے تو نکالا جائے گا۔"

یہ کہہ کر انھوں نے سپیکر پر اعلان کیا:



"خبردار! تم ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آؤ۔ اس طرح تم زخمی ہوئے بغیر قانون کی گود میں آ جاؤ گے۔ ورنہ تم اپنی جان سے ہاتھ بھی دھو سکتے ہو۔"

ان کی اس وارننگ کا بھی کوئی جواب نہ ملا!

"اب دروازہ توڑنا ہو گا" ایس پی صاحب نے غصے کے عالم میں کہا۔

"لیکن سر۔ دروازہ بہت مضبوط ہے۔ اس سے کہیں بہتر ہے کہ ہم سیڑھی لگا کر اندر داخل ہو جائیں" ایک ماتحت نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔ سیڑھی دیوار سے لگا دی جائے" وہ بولے۔

سیڑھی لگا دی گئی۔ اس وقت ساڑھے چار بج رہے تھے اور یہ سردیوں کے دن تھے۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا۔ اور اس کے ساتھ سردی میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ سیڑھی لگانے کے بعد ایس پی صاحب نے انھی دونوں سے کہا:

"ان دونوں کا تعاقب تم نے کیا ہے۔ اگر ترقی لینا ہے تو تم ہی اوپر چڑھو۔"

"او کے سر" وہ بولے اور سیڑھی چڑھنے لگے۔ اب ان کے دل اور تیزی سے دھڑک رہے تھے۔ آخر وہ چھت پر پہنچ گئے۔ انھوں نے منڈیر پر پہنچ کر نیچے جھانکا۔ ٹارچ کی

روشنی میں نیچے عمارت کا صحن نظر آیا اور دروازے کے ساتھ ایک بہت بڑا درخت بھی نظر آیا۔

"اب اس طرف سیڑھی کو لگانا پڑے گا۔"

"جی نہیں۔ اس سے پہلے زینے کو دیکھ لیں۔"

زینے کا دروازہ دوسری طرف سے بند تھا۔ انھیں سیڑھی ہی اوپر کھینچنا پڑا۔ اور پھر دونوں نیچے اتر گئے۔ نیچے کافی تاریکی تھی۔ ٹارچ کی روشنی کے بغیر کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ روشنی چاروں طرف گھمائی تو انھیں ایک طرف سوئچ بورڈ نظر آ گیا۔ بٹن دباتے ہی صحن میں روشنی ہو گئی:

"کہاں چھپے ہو بھئی۔ اب تم بچ تو سکتے نہیں۔ باہر چاروں طرف پولیس موجود ہے۔" ایک نے ہانک لگائی۔

مجرم کی طرف سے انھیں کوئی جواب نہ ملا۔

"اب پوری عمارت میں دیکھنا ہو گا۔"

"یہ درخت کس قدر عجیب ہے۔" دوسرے نے درخت کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھئی درخت کو بعد میں دیکھ لیں گے، پہلے اسے تلاش کرنا ہو گا۔"

اسی وقت سپیکر پر ایس پی ڈوابا صاحب کی آواز سنائی دی:

"بھئی ارمان خان۔ طوفان خان۔ کیا کرنے لگے اندر۔ اب تک



تمھاری طرف سے کوئی خبر نہیں ملی۔"

"ہم نیچے اتر گئے ہیں سر۔ اب اسے تلاش کر رہے ہیں۔ وہ کہیں نظر نہیں آ رہا۔"

"کسی جگہ چھپا ہوا ہو گا۔ تم ایسا کرو کہ دروازہ کھول دو، تاکہ کچھ اور لوگ اندر آ کر تمھاری مدد کر سکیں۔"

"لیکن سر۔ ترقی۔"

"وہ تمھارا حق ہے۔ فکر نہ کرو۔ دروازہ کھول دو۔"

ان میں سے ایک دروازے کی طرف بڑھا۔ اچانک اس کا پیر پھسل گیا۔ وہ دھڑام سے گرا۔

"ارے ارے۔ سنبھل کر بھئی۔" یہ کہہ کر دوسرا اسے اٹھانے کے لیے آگے بڑھا، لیکن وہ بھی بری طرح پھسلا۔ اس کے منہ سے چیخ سی نکل گئی۔

پھر اچانک انھیں یوں محسوس ہوا جیسے کوئی پردہ سا ان پر آ گرا ہو۔

"ارے ارے۔ یہ کیا۔ خبردار۔ ہم تمھیں گولی مار دیں گے۔"

ارمان خان نے چیخ کر کہا۔

اس کی یہ آواز باہر کھڑے ایس پی صاحب نے بھی سنی۔ وہ اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھ کر بولے:

"آخر وہ انھیں نظر آ ہی گیا۔ انھیں ترقی مل ہی گئی۔"

وہ کئی منٹ تک انتظار کرتے رہے۔۔ اس جملے کے بعد اندر سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"ارمان خان۔ کیا کر رہے ہو۔ اسے پکڑ لیا یا نہیں؟"

ارمان خان کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ ایس پی صاحب پھر چلائے:

"طوفان خان ۔ اندر کیا ہو رہا ہے۔ بولو۔ جواب دو۔"

ان کی طرف سے اب بھی کوئی جواب نہ ملا۔ اب تو وہ پریشان ہو گئے۔

"جابر رضا۔ تم اندر جاؤ۔"

"لیکن کیسے سر۔ سیڑھی تو اب اندر ہے۔"

"اوہ۔ دوسری سیڑھی کا بندوبست کرو۔" وہ جھلا کر بولے۔

"دوسری سیڑھی لانے کے لیے یا تو پولیس اسٹیشن جانا پڑے گا۔ یا پھر پڑوسیوں سے لینا پڑے گی۔"

"پڑوسیوں سے لو۔"

اس جگہ کوٹھیاں بہت بہت فاصلے پر تھیں۔ یہ عمارت بھی بالکل اکیلی کھڑی تھی۔ نزدیک ترین کوٹھی کے دروازے پر دستک دی گئی۔ ایک ادھیڑ عمر آدمی باہر نکلا۔

"السلام علیکم۔ آپ کے پاس سیڑھی ہو گی جناب۔ لکڑی کی سیڑھی۔ وہ سامنے والے مکان میں ایک مجرم گھس گیا ہے۔



اسے پکڑنا ہے ذرا۔"

"کیا کہا۔ سامنے والی عمارت۔" اس نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"کیوں کیا بات ہے۔ وہ سامنے والی عمارت ہے۔ سامنے والی عمارت کوئی جن دیو نہیں ہے۔" پولیس مین نے کہا۔

"ن۔ نہیں۔ نہیں۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ کھٹ سے بند کر دیا۔

# وہ بھی

"یہ کیا بات ہوئی؟" دستک دینے والے نے حیران ہو کر کہا۔

"سمجھ میں نہیں آ سکا یہ معاملہ — دوبارہ دستک دو۔" دوسرے نے بھنا کر کہا۔

ایک بار پھر زور زور سے دروازہ دھڑدھڑایا گیا — آخر دروازہ پھر کھلا اور وہی آدمی جھلا کر بولا۔

"جناب! میرے گھر میں کوئی سیڑھی نہیں ہے — مجھے معاف فرمائیں۔" یہ کہہ کر وہ پھر دروازہ بند کرنے لگا۔

"سیڑھی کی بات چھوڑیں اور یہ بتائیں — اس مکان کا کیا چکر ہے؟" پولیس مین نے دروازے میں جوتا اڑاتے ہوئے کہا۔

"اس مکان میں بھوت رہتے ہیں — چڑیلیں رہتی ہیں اور جن بھی — اور کچھ؟" اس نے تلملا کر کہا۔

"مذاق کر رہے ہیں شاید۔"

"آس پاس کے دوسرے لوگوں سے پوچھ لیں۔"



یہ کہہ کر وہ دروازہ جوں کا توں چھوڑ کر اندر چلا گیا — وہ مایوس ہو کر دوسری کوٹھی کی طرف بڑھے — دستک دینے پر ایک نوجوان آدمی نے دروازہ کھولا اور پولیس کو دیکھ کر گھبرا گیا:

"کیا بات ہے جناب؟"

"ہمیں اس مکان کے بارے میں معلومات درکار ہیں۔" کانسٹیبل نے اشارہ کیا۔

"ارے باپ رے — وہ — وہ عمارت:"

"ہاں! وہ عمارت۔" پولیس مین نے جل کر کہا۔

"سنا ہے — آسیب زدہ ہے — کچھ لوگ کہتے ہیں، اس میں ڈاکو رہتے ہیں — ایک صاحب ایک دن کہہ رہے تھے کہ اس میں انھوں نے ایک آدمی کو جاتے دیکھا اور پھر باہر آتے نہیں دیکھا۔"

"کیوں — کیا وہ کئی دن تک مکان کے دروازے پر نظریں جمائے بیٹھے رہے تھے؟" پولیس مین نے بھنا کر کہا۔

"جی نہیں — انھوں نے بتایا کہ وہ چار بھائی ہیں — ان چاروں نے باری باری ڈیوٹی دی تھی — دو دن تک وہ باہر نہیں نکلا تھا — دو دن کے بعد انھوں نے نگرانی ختم کر دی تھی۔"

"اچھا خیر — آپ کے گھر میں بانس والی سیڑھی ہو گی؟"

"جی ہو گی۔"

"ذرا وہ ہمیں دے دیں — ابھی واپس کر دیں گے۔"

"آپ سیڑھی کا کریں گے کیا؟"

"اس مکان میں داخل ہونا ہے — ہمارے دو ساتھی اندر داخل ہوئے تھے — اب تک لوٹ کر نہیں آئے۔"

"ارے باپ رے — آپ بھی نہیں آئیں گے، لہٰذا نہ جائیں۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔"

"پتا نہیں — یہ کیسے ہو سکتا ہے اور کیسے نہیں ہو سکتا۔" اس نے کہا۔

"خیر آپ سیڑھی تو دے دیں۔"

"جی ضرور، کیوں جی۔"

اس نے سیڑھی انھیں دے دی — سیڑھی لے کر وہ اس مکان کے نزدیک پہنچے — ایس پی صاحب بے تابانہ انداز میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے:

"سیڑھی حاصل کرنے میں اتنی دیر لگا دی۔" وہ غرائے۔

"اس مکان کے بارے میں بہت عجیب و غریب باتیں سننے میں آئی ہیں سر — یہاں چار بھائی ایسے بھی رہتے ہیں کہ انھوں نے تو باقاعدہ اس مکان کی نگرانی کی ہے — میرا خیال ہے — پہلے ان سے باتیں کر لیں۔"

"دماغ تو نہیں چل گیا — ارے بھئی، ہمارے دو ساتھی



اندر پھنس گئے ہیں اور ہم معلومات حاصل کرنے میں وقت ضائع کریں۔"

"لیکن سر — وہ معلومات بہت خوف ناک ہیں۔"

"ہوں گی — مجھے ان معلومات سے کوئی غرض نہیں — مجھے غرض ہے اپنے دو آدمیوں کی واپسی سے — جلدی سے سیڑھی لگاؤ اور دس آدمی اندر جائیں — جو بھی سامنے آئے، اسے بھون کر رکھ دیں۔" انھوں نے حکم دیا۔

"سوری سر۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"کس بات کے لیے سوری سر کہہ رہے ہو؟" ایس پی ڈاڈا نے حیران ہو کر کہا۔

"ہم اندر نہیں جائیں گے۔"

"کیا کہا — تم اندر نہیں جاؤ گے — حکم ماننے سے انکار کر رہے ہو؟"

"یس سر — آپ پہلے عمارت کے بارے میں معلومات تو لے لیں، اس میں جو جاتا ہے، واپس نہیں آتا — ہمارے تو چھوٹے چھوٹے بچے ہیں — ابھی ہمیں زندگی کی ضرورت ہے۔"

"احمق! زندگی کی ضرورت کون محسوس نہیں کرتا — حکم عدولی کی سزا تو اب تمھیں ملے گی — ایک طرف ہو کر کھڑے ہو جاؤ — تم دس آگے آؤ۔" انھوں نے دوسرے کانسٹیبلوں سے کہا۔

وہ لرزتے کانپتے آگے آ گئے — کیونکہ یہ بات چیت انھوں نے بھی سُنی تھی — ان کے بھی رنگ اڑ گئے تھے — دو کانسٹیبل ایس پی کا حکم ماننے سے انکار کر دیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی — اور انکار کرنے والے بلا وجہ انکار نہیں کر سکتے تھے —

"سیڑھی دیوار سے لگا کر اندر چلے جاؤ اور اپنے دونوں ساتھیوں کو تلاش کرو — لیکن اس سے پہلے دروازہ کھول دینا — ان احمقوں نے جاتے ہی دروازہ نہیں کھولا تھا۔"

"او کے سر۔" ایک نے لرز کر کہا۔

"کیا تم لوگوں کو بھی ڈر لگ رہا ہے؟"

"یس سر۔"

"کیا تم بھی جانے سے انکار کرنا چاہتے ہو؟"

"یس سر — نو سر۔" کئی آوازیں ابھریں۔

"آخر اس میں کیا حرج ہے سر — کہ آپ پہلے ان چار بھائیوں سے معلومات حاصل کر لیں — اس لیے کہ آس پاس والوں کا کہنا ہے کہ اس میں جن بھوت اور چڑیلیں رہتی ہیں۔"

"یہ سب بکواس باتیں ہیں — اتنی زندگی گزر گئی، آج تک کسی ایک جن، بھوت یا چڑیل سے ملاقات نہیں ہوئی۔" ایس پی صاحب نے کہا۔



"تو پھر آپ ہمارے ساتھ چلیں سر — آخر آپ بھی تو ملازم ہیں۔" ایک نے کہا۔

"کیا کہا — بدتمیز — انسپکٹر ساجد — اسے اسی وقت سو بید کمر پر لگائیں۔"

"سر — میرا خیال ہے — ہمیں پہلے معلومات حاصل کر لینی چاہییں — اس میں کیا حرج ہے آخر۔" انسپکٹر ساجد نے پُرسکون آواز میں کہا۔

"انسپکٹر ساجد — آپ بھی یہ کہہ رہے ہیں۔" ایس پی دھک سے رہ گئے —

"ہاں سر — یہ وقت کی ضرورت ہے۔"

"چاہے اتنی دیر میں ہمارے آدمیوں پر قیامت ہی کیوں نہ گزر جائے۔"

"ان پر تو جو قیامت گزرنا تھی، گزر گئی — اب تو باقیوں کی فکر کرنا چاہیے۔"

"اچھی بات ہے — آئیے۔"

اب وہ اس کوٹھی کے دروازے پر پہنچے — جس کے چار بھائیوں نے نگرانی کی تھی — دستک کے جواب میں ایک نوجوان نے دروازہ کھولا اور پولیس کو دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

"خیر تو ہے جناب — کیا ہم سے کوئی غلطی ہو گئی ہے؟"

"نا ہے۔ اس نیلی عمارت کے اندر جو چلا جاتا ہے —
واپس نہیں آتا — اور آپ نے اس بات کی باقاعدہ نگرانی
کی ہے۔"

"ہم تو یہی سمجھتے ہیں سر — بات کیا ہے — یہ اللہ جانے۔"

"آپ کیا سمجھتے ہیں؟"

"یہ کہ — یہ عمارت بہت خوف ناک ہے — میں نے اپنی
آنکھوں سے اس میں ایک شخص کو داخل ہوتے دیکھا — اور
پھر دو دن تک وہ باہر نہیں آیا — اس کے بعد آیا ہو تو ہم
کہہ نہیں سکتے — کیونکہ ہم چار بھائیوں نے باری باری نگرانی
کی تھی۔"

"آپ کو ایسا کرنے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ سوال
تو یہ ہے۔"

"اس کے بارے میں عجیب وغریب باتیں سنتے بہت مدت
گزر گئی ہے — ایسے میں اپنی آنکھوں سے کسی کو اس میں داخل
ہوتے دیکھا تو سسپنس میں مبتلا ہو گئے اور یہ دیکھنا چاہا کہ
وہ واپس آتا ہے یا نہیں — لیکن وہ واپس آتا نظر نہ آیا۔"

"ہوں! اور اس عمارت کے بارے میں کیا باتیں مشہور ہیں؟"

"پہلی تو یہ کہ اس میں جن بھوت چڑیلیں رہتی ہیں —
دوسری یہ کہ اس میں کوئی داخل ہو جائے تو واپس نہیں



سے۔" اس نے کہا۔

"آپ نے جس آدمی کو اندر جاتے دیکھا، کیا اس نے اندر
جانے سے پہلے دروازے کا تالا کھولا تھا؟"

"جی نہیں — اس عمارت کے دروازے پر آج تک ہم
نے تالا نہیں دیکھا — اس نے دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا
تھا اور اس نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا
تھا، کیونکہ میں نے دروازے پر جا کر دروازہ دھکیل کر دیکھا تھا۔
اور وہ نہیں کھلا تھا۔"

"ہوں — خیر — آپ کا شکریہ!"

وہ پھر نیلی عمارت کی طرف آ گئے — ایس پی ڈاڈا نے انسپکٹر
ساجد کی طرف دیکھا:

"اب کیا کریں؟"

"آپ فرمائیں — ان حالات میں ان میں سے کوئی اندر جانا
پسند نہیں کرے گا۔"

"تب پھر — میں جاؤں گا۔" ایس پی صاحب بولے۔

"کیا فرمایا — آپ جائیں گے؟" انسپکٹر ساجد دھک سے رہ گیا۔

"ہاں اور کیا — میں اپنے دونوں آدمیوں کو مصیبت میں
کس طرح چھوڑ سکتا ہوں۔"

"تب پھر — آپ نہیں — میں جاؤں گا۔" انسپکٹر ساجد نے کہا۔

"میں اپنے کسی ماتحت کو موت کے منہ میں جان بوجھ کر نہیں دھکیل سکتا۔۔ اب تک جن لوگوں نے اندر جانے سے انکار کیا تھا۔۔ میں انھیں بھی معاف کرتا ہوں۔۔ انھیں کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔۔ اور اب سیڑھی دیوار سے لگا دی جائے۔"

"سر۔۔ سوچ لیں ایک بار پھر۔"

"اب کیا سوچنا۔۔ حکم کی تعمیل کی جائے۔۔ کوئی میرے پیچھے نہیں آئے گا۔"

اور پھر سیڑھی لگا دی گئی۔۔ ایس پی صاحب اوپر پہنچ گئے۔۔ اس سیڑھی کو اٹھا کر دوسری طرف لگانے کی انھیں ضرورت نہیں تھی۔۔ کیونکہ صحن میں سیڑھی لگی ہوئی تھی۔۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔۔ ہاتھ ہلایا اور منڈیر کی طرف بڑھ گئے۔۔

نیچے ان کے ساتھی دھک دھک کرتے دلوں کے ساتھ ان کا انتظار کرنے لگے۔۔ ان کی طرف سے کوئی پیغام ملنے کا انتظار کرتے رہے۔۔ لیکن نہ وہ واپس لوٹے۔۔ نہ ان کی طرف سے کوئی پیغام ملا۔۔

اس طرح آدھ گھنٹہ گزر گیا۔۔ انسپکٹر ساجد کی ہمت جواب دے گئی۔۔ اس نے کہا:



"کیا ہم ایس پی صاحب سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے ہیں؟"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"اُف مالک۔۔ اب ہم کیا کریں؟"

"اس عمارت کا دروازہ توڑ ڈالا جائے۔" ایک حوالدار نے غصے میں آ کر کہا۔

"اس طرح تمام بھوت اور چڑیلیں باہر نکل آئیں گی۔۔ اور ہمیں چمٹ جائیں گی۔" دوسرا بولا۔

"کیا بکواس ہے۔۔ یہ کسی جرائم پیشہ کی شرارت ہے، کسی جن بھوت کی نہیں۔" انسپکٹر ساجد نے چلا کر کہا۔

"تب پھر آپ کیوں اندر نہیں جاتے؟"

"ہاں ہاں! میں جاؤں گا اور دیکھوں گا۔۔ یہ جن، بھوت اور چڑیلیں۔۔ میرا کیا بگاڑ لیتے ہیں۔" اس نے جوش کے عالم میں کہا۔

اور پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا سیڑھی کی طرف چلا گیا:

"رک جائیے سر۔۔ رک جائیے۔۔ یہ کام نہ کریں۔"

"اب میں نہیں رکوں گا۔۔ یا اپنے ساتھیوں کو واپس لاؤں گا۔۔ یا ان کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"نن نہیں۔۔ سر۔۔ نہیں۔" وہ چلائے۔

"خاموش بزدلو۔" انسپکٹر ساجد نے گرج کر کہا۔

وہ سہم گئے۔۔ اور انسپکٹر ساجد چھت پر پہنچ گیا۔۔ اس نے

ایک نظر اپنے ساتھیوں پر ڈالی — اور بولا :

"میں جا رہا ہوں — اگر واپس نہ آ سکا — تو میرے لیے اور میرے ساتھیوں کے لیے دعا کر دیا کرنا — خدا حافظ"

یہ کہ کر وہ بھی منڈیر کی طرف بڑھ گیا — اس کے ساتھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اوپر دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے —



# خبر

"بڑی حیرت انگیز خبر ہے"۔ فاروق کے منہ سے نکلا۔

"کیا خبر ہے بھائی؟" محمود نے کہا۔

"یہ لو — خود ہی پڑھ لو — اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں اور پڑھنا بھی جانتے ہو"۔ فاروق نے منہ بنایا۔

"تو صبح صبح مرچیں کیوں چبا رہے ہو؟"

"کہاں — نہیں تو — آج تو باورچی خانے میں اتفاق سے مرچیں ویسے ہی ختم ہیں"۔

"یہ بات نہیں کیسے معلوم ہو گئی — کیا آج کل امی جان کی بجائے تم کھانا پکانے لگے ہو؟" فرزانہ کے لہجے میں حیرت تھی۔

"یہ بات نہیں — بس ہوئی ذرا سی مرچوں کی ضرورت پیش آ گئی تھی"۔ اس نے کہا۔

"اوہو اچھا — لیکن کس سلسلے میں؟" فرزانہ کے لہجے میں بلا کی حیرت در آئی —

"وہ میں ایک تجربہ کر رہا تھا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"پسی ہوئی مرچوں سے؟"

"ہاں! آؤ۔۔ پہلے میں تمہیں اپنے تجربے کی کارستانی دکھاؤں"

"تجربے کی کارستانی ۔۔۔ یہ ۔۔ یہ تو کسی ناول کا نام ہو سکتا ہے۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"لیکن تم فاروق نہیں ہو۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا فرق پڑتا ہے۔۔ روحیں بھی تو ادھر سے ادھر ہوتی رہتی ہیں۔" محمود مسکرایا۔

"اب پہلے اس کے تجربے کی کارستانی دیکھیں یا خبر پڑھیں؟" فرزانہ نے محمود کی طرف دیکھا۔

"بھئی اخبار کہیں بھاگا نہیں جا رہا۔" فاروق نے جتا کر کہا۔

"تو کیا تجربہ یا اس کی کارستانی کہیں بھاگے جا رہے ہیں۔" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"چپ ۔۔ پتا نہیں ۔۔ تمہیں تجربے کی کارستانی سے دلچسپی نہیں تو خبر پڑھ لو۔"

"نہیں! میں پہلے تجربہ دیکھوں گی۔" فرزانہ بولی۔

وہ انہیں پائیں باغ میں لے آیا:

"یہ کیا ۔۔ تم تجربہ گاہ کی بجائے ہمیں پائیں باغ میں کیوں لے آئے؟"



"تجربات پودوں پر بھی ہوتے ہیں۔"

"اوہ اچھا ۔۔ خیر ۔ دکھاؤ، کیا دکھانا چاہتے ہو؟"

وہ انہیں ایک سرخ رنگ کے پودے کے پاس لے آیا، اس پودے کو دیکھ کر محمود اور فرزانہ چونک اٹھے:

"ارے یہ کیا ۔۔ ہم نے اس قسم کا پودا شاید پہلے کبھی نہیں دیکھا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ۔۔ میں تم دونوں سے چھپا کر باغ کے بالکل ایک طرف یہ تجربہ کرتا رہا ہوں ۔۔ یہ پودا میں ایک نرسری سے خرید کر لایا تھا ۔۔ نرسری والے نے کہا تھا ۔۔ یہ پودا خاص طور پر ایمیزن کے جنگل سے لایا گیا ہے ۔۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اگر اس کی جڑ میں روزانہ پسی ہوئی مرچوں والا پانی دیا جائے تو یہ ایک دن کیڑوں اور مکوڑوں کو کھانا شروع کر دیتا ہے۔"

"کک ۔۔ کیا مطلب؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"بھئی کون سی بات کا مطلب پوچھ رہے ہو؟"

"یہ کون سے کیڑوں مکوڑوں کو کھانا شروع کر دیتا ہے؟"

"جو کیڑے مکوڑے درختوں اور پودوں کو کھا جاتے ہیں۔ ان کی جڑوں سے لگ کر بالکل چٹ کر جاتے ہیں، ان کیڑوں مکوڑوں کو ۔۔ پچھلے سال ہمارے ولایتی گلاب کے کتنے پودے

ان کیڑوں نے کھا لیے تھے — یاد نہیں۔"

"ہاں یاد ہے — تو کیا یہ پودا اس قابل ہو گیا ہے؟"

"ہاں بالکل — میں ابھی تجربہ کرا دیتا ہوں۔" اس نے کہا اور پھر ایک درخت کی طرف گیا — وہاں ایک لکڑی کا بکس رکھا تھا — اس بکس میں سفید رنگ کا سفوف تھا، اس سفوف کو چٹ کرنے میں بے شمار کیڑے مکوڑے مصروف تھے؛

"یہ کیڑے مکوڑے میں اس پودے کے پاس الٹ رہا ہوں، ذرا غور سے دیکھتے رہنا — پودا کیا کرتا ہے۔" اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے — یہ منظر کافی سنسنی خیز ہو گا — کیوں نہ ہم اس منظر کی فلم بنا لیں۔" محمود بولا۔

"یہ اور زیادہ بہتر رہے گا۔" فرزانہ نے کہا۔

"تو پھر میں ویڈیو کیمرہ لاتا ہوں۔"

محمود نے کہا اور اندر کی طرف دوڑ پڑا — اس نے دیکھا — صحن میں اب اس کے والد موجود تھے — گویا وہ غسل کر چکے تھے اور حیرت زدہ انداز میں اخبار پر جھکے ہوئے تھے؛

"تم کہاں ہو بھئی — کیا یہ حیرت انگیز خبر پڑھ چکے ہو؟"

"جی! ہم میں سے صرف فاروق نے پڑھی ہے اور ہمیں پڑھنے کا اس نے موقع نہیں دیا — کیونکہ اپنا ایک تجربہ دکھانا چاہتا ہے۔"



"کیسا تجربہ؟"

"اس نے ایک پودے کو اس قابل بنایا ہے — کہ وہ کیڑے مکوڑے کھانے لگ گیا ہے — ایسے کیڑے مکوڑے جو پودوں کو کھا جاتے ہیں۔"

"اوہو اچھا — کمال ہے۔" وہ بولے۔

"ہم ابھی آ کر یہ خبر پڑھتے ہیں ابا جان — ذرا تجربے کی فلم بنا لیں۔" محمود نے کہا۔

"اچھی بات ہے۔" وہ مسکرائے۔

محمود کیمرہ لے کر باغ میں پہنچا؛

"چلو بھئی شروع کرو۔" اس نے کہا۔

فاروق نے کیڑے مکوڑوں کا بکس پودے کی جڑوں کے پاس الٹ دیا — ادھر محمود نے کیمرے کا بٹن دبا دیا — انھوں نے دیکھا — کیڑوں کے نیچے گرتے ہی — پودے کے پتے ان پر جھک گئے تھے — اور ان میں سے ایک لیس دار سا مادہ نکلنے لگا تھا — کیڑے اس لیس دار مادے کی لپیٹ میں آ گئے — جب پتے اٹھے تو تمام کیڑے ان سے چپٹے ہوئے تھے — ایک بھی نیچے نہیں رہ گیا تھا — پھر وہ پتے بند ہونے لگے — یہاں تک کہ وہ بالکل نلکیوں کی شکل کے ہو گئے — وہ دم بخود کھڑے یہ منظر دیکھ رہے تھے — آخر کئی منٹ بعد پتے دوبارہ کھل

گئے ۔۔ انھوں نے دیکھا۔ اب وہاں کیڑوں مکوڑوں کا نام و نشان تک نہیں رہا تھا۔

"ارے باپ رے! یہ ۔۔ یہ تو خونی پودا ہے۔"

"ہاں! لیکن صرف کیڑے مکوڑوں کے لیے ۔۔ ہمارے لیے نہیں۔" فاروق مسکرایا۔

"آؤ اندر چلیں ۔۔ ابا جان بھی چاہتے ہیں کہ ہم وہ خبر پڑھ لیں۔"

"اوہ ہاں ۔۔ واقعی ۔۔ وہ خبر بہت حیرت انگیز ہے۔"

اور پھر وہ اندر آ گئے ۔۔ انسپکٹر جمشید مکمل خبر پڑھ چکے تھے، اب محمود اور فرزانہ نے پڑھی:

"حیرت ہے ۔۔ ڈی ایس پی اور انسپکٹر تک غائب ہو گئے ۔۔ اور ابھی تک پولیس نے اس مکان کی اینٹ سے اینٹ نہیں بجائی۔" محمود بولا۔

"عمارت کی نگرانی ہو رہی ہے ۔۔ غالباً حکام سوچ رہے ہیں اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔"

"بھئی کرنا کرانا کیا ہے ۔۔ اس کا دروازہ توڑ دینا چاہیے۔"

"تو آپ پولیس حکام کو یہ مشورہ دے دیں۔"

"میں مشورہ ضرور دوں گا ۔۔ بلکہ ہم خود بھی اس عمارت کو دیکھیں گے چل کر۔"

"ارے باپ رے ۔۔ مجھے تو اس کے خیال سے بھی ڈر لگ



رہا ہے۔" فاروق نے گھبرا کر کہا۔

"تو پھر تم یہیں رہو اور کوئی اور تجربہ شروع کرو۔"

"اس سلسلے میں میں پروفیسر انکل سے ملوں گا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"کس سلسلے میں؟" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"کسی اور تجربے کے سلسلے میں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"ضرور کیوں نہیں۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

"تو کیا ابا جان ۔۔ ہم اس عمارت کی طرف چلیں؟" فرزانہ نے بے تابانہ انداز میں کہا۔

"ہاں! اور کیا کریں گے ہم۔"

وہ کار میں بیٹھ کر روانہ ہوئے اور تیمور روڈ پر پہنچ گئے۔ وہاں چاروں طرف پولیس موجود تھی ۔۔ چھوٹے بڑے آفیسر بھی موجود تھے ۔۔ کیوں نہ ہوتے ۔۔ آخر ایک ایس پی، ایک انسپکٹر اور چند کانسٹیبل اس عمارت میں داخل ہو کر غائب ہو گئے تھے ۔۔ ان کی گاڑی دیکھ کر کئی آفیسر ان کی طرف آ گئے:

"یہ اچھا ہوا کہ آپ آ گئے ۔۔ اب اس سلسلے میں ضرور کچھ ہو جائے گا۔"

"پہلے یہ بتائیں ۔۔ اب تک اس عمارت کا دروازہ کیوں نہیں توڑا گیا؟"

"ابھی تک یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔"

"خیر ۔۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جا سکتا ہے ۔ یہ عمارت ہے کس کی؟" انسپکٹر جمشید بولے ۔

"یہ تو معلوم نہیں کیا گیا" کسی نے کہا۔

"یہ معلوم کرنا ضروری ہے"

یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید ایک مکان کی طرف بڑھ گئے ۔ دستک کے جواب میں فوراً دروازہ کھلا ۔ ایک بوڑھے آدمی نے انھیں پریشان نظروں سے دیکھا:

"جی فرمائیے؟"

"آپ دیکھ رہے ہیں ۔ یہاں ہر طرف پولیس ہی پولیس نظر آ رہی ہے"

"جی ہاں! یہ تو ہے"

"سنا ہے، یہ نیلا مکان جنوں، بھوتوں اور چڑیلوں کا ٹھکانا ہے" وہ بولے۔

"جی ہاں! یہی بات مشہور ہے"

"یہ ہے کس کا؟"

"یہ بات ہمیں آج تک معلوم نہیں ہو سکی ۔ کبھی کسی کو دیکھا ہی نہیں"

"اوہ ۔۔ اور کیا اس کا دروازہ کھلا ہی رہتا ہے؟"



"ہاں بالکل! ہم نے اس کے دروازے پر کبھی تالا لگا ہوا نہیں دیکھا"

"آپ یہاں کتنے عرصے سے رہائش پذیر ہیں؟"

"جی تین سال سے ۔ تین سال پہلے میں نے یہ مکان خریدا تھا"

انسپکٹر جمشید نے نفی میں سر ہلایا اور بولے:

"نہیں تو معلومات کسی ایسے آدمی سے مل سکتی ہیں ۔ جو یہاں بہت زیادہ مدت سے رہ رہا ہو"

"آپ کو سب رام صاحب سے ملنا چاہیے ۔۔ وہ دائیں طرف سفید رنگ کی بڑی کوٹھی ان کی ہے، وہی یہاں کے سب سے پرانے رہنے والے ہیں"

"بہت اچھا" انھوں نے کہا اور سفید کوٹھی کی طرف بڑھ گئے ۔

دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک عمر رسیدہ ہندو آدمی باہر نکلا:

"تو آپ یہاں بہت پرانے رہنے والے ہیں؟"

"ہاں جناب" اس نے کہا۔

"شکریہ! اس نیلے مکان کے بارے میں بتا سکتے ہیں ۔ اس کا مالک کون ہے؟"

"کسی زمانے میں تو مالک میں ہی تھا" اس نے سرد آہ بھری۔

"کیا فرمایا" وہ حیرت زدہ رہ گئے ۔

"ہاں جناب! کسی زمانے میں اس کا مالک میں تھا، پھر اس

پر جنوں ، بھوتوں اور چڑیلوں نے قبضہ کر لیا ــ اور بہت کم قیمت پر میں نے اس کو بیچ دیا۔"

"کس کے ہاتھوں بیچ دیا؟"

"میں نے اسے بس ایک بار دیکھا تھا ــ ویسے مکان خریدنے کے بعد اس نے مکان میں تعمیر کا کچھ کام بھی کرایا تھا ــ لیکن میں ان دنوں اپنے رشتے داروں سے ملنے ملک سے باہر چلا گیا تھا ــ واپس آیا تو اس سے ملاقات نہیں ہو سکی ــ مطلب یہ کہ میں نے اسے پھر کبھی نہیں دیکھا۔"

"آپ کم از کم اس کا حلیہ تو بتا سکتے ہیں۔"

"او ہاں ــ حلیہ ــ مجھے آج تک یاد ہے۔"

"چلیے پھر ــ حلیہ ہی بتا دیں۔"

"اس کا چہرہ کافی چوڑا تھا ــ دائیں گال پر سیاہ تل کا نشان تھا ــ کافی بھاری بھر کم آدمی تھا۔" اس نے بتایا۔

"بس یا کوئی اور بات۔"

"جی بس ــ اور تو کوئی خاص چیز یاد نہیں آ رہی حلیے میں۔"

"خیر ــ یہ بھی کافی ہے ــ کیا یہ مکان آپ نے بنوایا تھا؟"

"جی نہیں ــ میں نے نہیں بنوایا تھا ــ میں نے تو بنا بنایا خریدا تھا۔"

"اور اس وقت یہ آسیب زدہ نہیں تھا؟"



"جی نہیں ــ میں تو اس میں کچھ عرصہ رہتا بھی رہا ہوں ــ پھر جب اس میں عجیب و غریب آوازیں آنے لگیں تو میں ڈر گیا۔ اور مکان خالی کر کے یہاں آ گیا ــ یہ مکان ان دنوں خالی تھا۔ پہلے میں نے اس کو کرائے پر حاصل کیا تھا ــ پھر بعد میں جب میں نے نیلا مکان بیچ دیا تو یہ خرید لیا تھا۔"

"اگر آپ اس بھاری بھر کم آدمی کو دیکھیں تو کیا پہچان لیں گے؟"

"ہاں ! کیوں نہیں جناب ــ اسے پہچاننا کیا مشکل ہے۔"

"آپ کا بہت بہت شکریہ ! کیا آپ نے کبھی کسی بھوت یا چڑیل کو آنکھوں سے بھی دیکھا تھا؟"

"جی نہیں ــ بالکل نہیں۔" اس نے پُرزور انداز میں کہا۔

"اچھا شکریہ ۔" یہ کہہ کر انسپکٹر جمشید مُڑ گئے ــ ایسے میں انھوں نے ان تینوں سے کہا :

"جلدی بتاؤ ــ اس حلیے کے آدمی کو تم نے کہاں دیکھا ہے؟"

"جی کیا فرمایا؟"

"سب رام نے مکان جس شخص کے ہاتھ بیچا تھا ــ اس کا حلیہ اس نے یہ بتایا ہے ــ چوڑا چہرہ ، دائیں گال پر تل ــ بھاری بھر کم جسم ــ تم نے اس حلیے کے آدمی کو کہیں دیکھا ہے؟"

"جی بالکل نہیں۔" تینوں بولے۔

"لیکن میرا خیال ہے ضرور دیکھا ہے ــ اگر ذہن دوڑاؤ تو

یہ بات تمہیں یاد آ سکتی ہے، لیکن خیر تم ذہن دوڑاتے رہو
اور کام بھی کرتے رہو — میں اس مکان کے دروازے کو توڑنے
کا حکم دے رہا ہوں — تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟"

"ٹھیک خیال ہے — دروازہ توڑنا ہی ہو گا — اس طرح
سسپنس ختم ہو جائے گا۔" محمود نے فوراً کہا۔

"بالکل ٹھیک۔"

یہ کہ کر وہ مکان کی طرف آ گئے، کانسٹیبل چوکس کھڑے تھے،

"اس دروازے کو توڑ دیا جائے۔"

"جی !!!" وہ سب حیرت زدہ رہ گئے۔

"بہت بہتر سر!"

لوہے کے اوزاروں کے ذریعے دروازہ توڑنے کا کام شروع
ہوا — دروازہ ضرورت سے زیادہ مضبوط ثابت ہوا — اس کے لیے
بہت محنت کرنا پڑی اور وقت بھی بہت لگا، لیکن آخر کار
دروازہ ٹوٹ گیا۔

"ابھی کوئی اندر نہیں آئے گا۔" انسپکٹر جمشید نے گویا اعلان کیا۔

"کوئی اندر جانے کے لیے تو یوں بھی تیار نہیں ہے۔"
محمود مسکرایا —

انھوں نے دروازہ توڑ کر دوسری طرف گرنے کے بعد اندر
دیکھا، سامنے ایک صحن تھا — دروازے کے بائیں طرف ایک



درخت لگا تھا، سامنے ایک برامدہ تھا — برامدے کے دونوں
طرف کمرے تھے — اندر انھیں کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا —
ہو کا عالم طاری تھا — یوں جیسے مکان مدتوں سے بند پڑا ہو۔

"سب سے پہلے میں اس کے اندر جاؤں گا اور جب تک
میری طرف سے اجازت نہ ملے — محمود، فاروق اور فرزانہ تم بھی
اندر نہ آنا۔"

"لیکن ہم چاہتے ہیں — آپ نہ جائیں — ہمیں ڈر لگ رہا ہے۔"

"تو پھر کون جائے گا؟" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"ہم جائیں گے ابا جان۔" محمود مسکرایا۔

"لیکن تمہیں تو ڈر لگ رہا ہے؟"

"وہ آپ کے جانے سے لگ رہا ہے، اپنے جانے سے نہیں۔"

"نہیں بھئی — میرا جانا ہی مناسب ہے۔"

"اچھی بات ہے — جیسے آپ کی مرضی۔"

وہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر اندر داخل ہو گئے — صحن عبور
کر کے وہ برامدے میں آئے اور آگے تک چلے گئے — دائیں
بائیں کمروں کے دروازے بند تھے —

کچھ دیر بعد انھوں نے آواز دی:

"محمود، فاروق اور فرزانہ تم بھی اندر آ جاؤ — یہاں کوئی
خطرہ وطرہ نہیں ہے۔"

"حیرت ہے — اگر یہاں کوئی خطرہ وطرہ نہیں ہے تو پھر لوگ کس طرح غائب ہو گئے۔"

"یہی جائزہ تو اب لینا ہے۔" وہ بولے۔

محمود، فاروق اور فرزانہ بھی اندر داخل ہو گئے۔ انھوں نے پورے مکان کو دیکھ ڈالا — ایک ایک کمرے کا دروازہ کھول ڈالا — کمروں میں اس قدر گرد جمی تھی کہ جیسے ایک مدت سے استعمال میں نہ آئے ہوں — برآمدے میں بھی گرد ہی گرد تھی — کہیں بھی انھیں کسی انسان کے جوتوں کے نشانات نظر نہ آئے — البتہ صحن میں ضرور قدموں کے تازہ نشانات موجود تھے — اب انھوں نے ان تازہ نشانات کا جائزہ لیا، ان جوتوں کا رُخ صحن کی طرف تھا — یعنی منڈیر والی دیوار سے سیڑھی لگی تھی — اور سیڑھی سے اُتر کر لوگ دروازے کی طرف جاتے رہے تھے — قدموں کے یہ نشانات ٹوٹے ہوئے دروازے تک جاتے تھے —

"حیرت ہے — مکان سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے، آخر یہ لوگ کہاں چلے گئے؟"

"حیرت انگیز ترین بات ہے — ارے ہاں — کہیں اس مکان کے نیچے کوئی تہ خانہ نہ ہو۔" فرزانہ نے چونک کر کہا۔

"اوہ ہاں! اس امکان کو بھی دیکھ لینا چاہیے۔"



"لیکن قدموں کے نشانات صرف اس دروازے تک آ رہے ہیں۔"

"پھر بھی ہمیں تہ خانے کے امکان کا جائزہ لے لینا چاہیے۔"

انھوں نے اب اس رُخ سے تلاش شروع کی، لیکن ایک گھنٹہ گزر جانے کے بعد بھی وہ کوئی تہ خانہ تلاش نہ کر سکے۔

"نہیں — میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں کوئی تہ خانہ نہیں ہے۔" انھوں نے کہا۔

"تب پھر وہ لوگ کہاں گئے — انھیں زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔"

"شاید یہ اس سال کا سب سے عجیب معاملہ ہے۔"

وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئے — ایسے میں فاروق کی نظریں اس درخت پر جم گئیں — آہستہ آہستہ اس کی آنکھیں پھیلنے لگیں — آنکھوں میں حیرت بڑھنے لگی — اسے اپنے جسم میں سنسنی کی لہریں اٹھتی محسوس ہوئیں — آخر اس کے منہ سے نکلا:

"اُف مالک! یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں — ہم بال بال بچ گئے ہیں۔"

"کیا بات ہے — کیا دیکھ رہے ہو۔" انسپکٹر جمشید حیران ہو کر بولے۔

"ہمیں گھر جانا پڑے گا۔"

"کیا کہا — گھر جانا پڑے گا؟" انسپکٹر جمشید بولے، پھر اس کی آنکھوں میں خوف دیکھ کر بولے:

"ہاں! پہلے ہمیں گھر جانا پڑے گا۔" یہ کہ کر وہ ماتحتوں کی طرف مڑے:

"آپ لوگ اس مکان کی پوری طرح نگرانی کریں۔ ہم تھوڑی دیر تک آتے ہیں۔ کوئی اندر جانے کی کوشش نہ کرے، ورنہ موت کو گلے لگا لے گا۔"

"اوکے سر!" جواب ملا۔

وہ گھر پہنچے۔ محمود اور فرزانہ حیرت زدہ تھے۔ راستے میں بھی ان دونوں نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ بیگم جمشید نے دروازہ کھولا۔ اندر داخل ہوتے تو بولیں:

"اگرچہ یہ وقت کھانے کا نہیں ہے، لیکن پھر آپ کو کھانے کا وقت نہیں ملے گا۔ لہٰذا مہربانی فرما کر کھانا اسی وقت کھا لیں۔"

"آپ نے کیا فرمایا، پھر ہمیں وقت نہیں ملے گا۔ یہ آپ نے کیسے کہ دیا؟"

"آپ جلدی میں ہیں اور گھر میں کوئی چیز دیکھنے کے لیے آئے ہیں، اس کو دیکھتے ہی واپس چلے جائیں گے۔"

"بہت خوب۔ جاسوس ہو رہی ہیں آج کل آپ۔" انسپکٹر جمشید نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"شکریہ!" وہ مسکرائیں۔



"لیکن۔ ہم بہت جلدی میں ہیں، کھانا نہیں کھا سکتے۔"

"جیسے آپ کی مرضی۔ میں کیا کر سکتی ہوں۔" انھوں نے بُرا سا منہ بنایا۔

اور وہ لائبریری میں داخل ہو گئے۔

"ہاں فاروق۔ گزشتہ کئی دنوں سے تم عجیب و غریب پودوں اور درختوں کے بارے میں ایک بہت بڑی کتاب کا مطالعہ کرتے رہے ہو۔ یہ تو میں نہیں جانتا کہ ایسا کسی خاص وجہ سے کرتے رہے ہو یا بس یونہی۔ لیکن اس وقت تمھارا مطالعہ کرنا ہمارے کام آئے گا۔"

"جی ہاں! میں سمجھ رہا ہوں۔"

"تم سمجھ رہے ہو۔ یہ بات میرے لیے خوشی کی ہے۔"

"لیکن ابا جان! ہم کچھ نہیں سمجھ رہے۔" محمود نے گھبرا کر کہا۔

"اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ میرے ساتھ عمارت میں صرف فاروق گیا تھا۔ اور فاروق کو ساتھ لے جانے کی یہی وجہ تھی کہ یہ اس کتاب کو پڑھتا رہا ہے۔"

"لیکن مسئلہ کیا ہے؟"

"اس مکان میں، دروازے کے بائیں طرف ایک درخت لگا ہوا ہے۔ بہت زیادہ عجیب و غریب درخت۔"

"اوہ اچھا۔ تت تو کیا لوگوں کی گم شدگی کا تعلق اس درخت

سے ہو سکتا ہے؟"

"اس بات کا زبردست امکان ہے۔"

"بلکہ ہے ہی اس درخت سے تعلق۔" فاروق نے کہا۔

"آخر کیسے؟" محمود نے حیران ہو کر کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

اور کتاب میں ڈوب گیا — محمود اور فرزانہ اسے حیرت زدہ انداز میں دیکھ رہے تھے — جب کہ انسپکٹر جمشید مسکرا رہے تھے — اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی —

"خیر تو ہے بیگم؟"

"میں ایک ریڈی میڈ چیز لے کر آئی ہوں — آپ یہ کام کے دوران بھی کھا سکتے ہیں — اس طرح آپ کو مہم کے دوران بھوکے نہیں رہنا پڑے گا۔"

"بھئی واہ! یہ تو بہت مزے کی بات ہے۔" انسپکٹر جمشید نے خوش ہو کر کہا۔

"اور ہم سے زیادہ یہ پروفیسر انکل کے لیے زیادہ خوشی کی بات ہے۔"

"ہاں واقعی! ان کا مسئلہ تو حل ہو جاتا ہے اس طرح — دکھاؤ بیگم — کیا چیز بنائی ہے۔" انھوں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا —



بیگم جمشید نے چھوٹے چھوٹے پیکٹوں میں بند کوئی چیز ان کے سامنے رکھ دی — انھوں نے ایک ایک پیکٹ کھولا اور منہ میں اُلٹ لیا — وہ ایک انتہائی لذیذ چیز تھی — منہ میں رکھتے ہی گھل گئی اور انھوں نے اس کو نگل لیا —

"اُف! اس قدر مزے کی چیز — لیکن یہ ہے کیا؟" انسپکٹر جمشید نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کو پیڑ کھانے سے غرض ہے یا آم گننے سے۔" بیگم جمشید نے شوخ انداز میں کہا۔

"نہ پیڑ کھانے سے غرض ہے، نہ آم گننے سے۔" فاروق ہنسا۔

"اوہ! میں اُلٹ کہ گئی — ہاں تو آپ اس جملے کو خود بخود سیدھا سمجھ لیں۔"

"ٹھیک ہے — ہمیں آم کھانے سے نہیں — پیڑ گننے سے غرض ہے — جلدی بتاؤ — یہ کیا ہے؟"

"میں نے یہ خشک چیزوں سے تیار کی ہے — پسی ہوئی خشک چیزوں سے — اس میں خشک میوہ جات کا برادہ — اور گرم مصالحہ جات وغیرہ ہیں — ایک پیکٹ کھا کر آپ کو ایک گھنٹے تک بھوک کا خیال نہیں ستائے گا — اگر دو کھائیں گے تو دو گھنٹے۔"

"بہت خوب! بھوک تو واقعی غائب ہو گئی ہے میری۔"

"اور ہماری بھی۔" محمود بولا۔

"اچھا بیگم، بہت بہت شکریہ! اب ہمیں کام کرنے دو۔ اور ہمارے لیے دو چار ہزار پیکٹ بنا دو۔ تاکہ آئندہ ہر مہم میں یہ ہمارے ساتھ ہوں۔ اور ہاں! تم نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟"

"نام! اوہ میں نے نام نہیں رکھا۔"

"یہ کام فاروق سے لے لیتے ہیں۔ ہر وقت ناولوں کے نام رکھتا رہتا ہے، تو کیا اس کا نام نہیں رکھ سکے گا۔"

"کیوں نہیں — ہم اس کا نام بھوک پروف پیکٹ رکھ دیتے ہیں۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"یہ نام کچھ لمبا ہے۔" محمود نے منہ بنایا۔

"صرف بھوک آف پیکٹ کیسا رہے گا؟" فاروق نے اسے گھورا۔

"اب بھی لمبا ہے۔"

"پیکٹ کا لفظ بھی نکال دیتے ہیں۔ صرف بھوک آف کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"گوارا ہے — بہتر تھا۔ صرف ایک لفظ میں نام ہوتا۔" فرزانہ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

"تو پھر بھوکم رکھ لیتے ہیں۔" فاروق نے جل کر کہا۔

انسپکٹر جمشید ہنس پڑے اور فوراً بولے:



"بس مجھے یہ نام پسند ہے — بھوکم — اس لیے بھی کہ اگر ہم ناموں کی بحث میں پڑے رہے تو کام رک جائے گا اور اس وقت تک آٹھ دس آدمی اس مکان کے پیٹ میں جا چکے ہیں۔"

"حد ہو گئی۔" بیگم جمشید نے جھلا کر کہا اور باہر نکل گئیں۔

"لیکن آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں کہ حد کس بات میں ہو گئی؟" انسپکٹر جمشید نے ہانک لگائی۔

"اس بات میں کہ — آپ لوگوں کو ہر وقت بس جاسوسی کی پڑی رہتی ہے — کسی چیز کا نام تک رکھنے کے لیے آپ کے پاس وقت نہیں ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئیں — اور وہ کتاب کی طرف متوجہ ہو گئے — ایک صفحے پر انھیں بالکل ویسے ہی درخت کی تصویر نظر آئی — فاروق نے درخت ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا:

"یہ ہے وہ درخت۔"

ان پر جوش طاری ہو گیا اور وہ جلدی جلدی اس کے بارے میں دی گئی تفصیل پڑھنے لگے — جوں جوں وہ پڑھتے جا رہے تھے — ان کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھیلتی جا رہی تھیں — آخر انھوں نے تفصیل پڑھ ڈالی — پھر وہ

گھر سے باہر نکلے — اس مکان کے پاس پہنچے۔ ماتحت جوں کے توں چوکس کھڑے تھے :

"کوئی بات تو پیش نہیں آئی ؟"

"جی نہیں — سب خیریت ہے۔"

"اچھی بات ہے — خشک لکڑیوں کا بندوبست کیا جائے۔"

"جی — خشک لکڑیوں کا ؟"

"ہاں ! اور پھاوڑوں اور کدالوں کا بھی۔"

"او کے سر۔"

لکڑیاں درخت کے نیچے پھینک کر ڈھیر کر دی گئیں۔ درخت کے نزدیک تو وہ جا نہیں سکتے تھے — لکڑیوں کو آگ لگانے سے پہلے اس درخت کی بہت سی تصاویر اتاری گئیں — اور پھر لکڑیوں کو آگ لگا دی گئی —

جلد ہی انھوں نے درخت کے پتے خشک ہوتے دیکھے اور پھر ان میں آگ لگتی دیکھی — انھوں نے اطمینان کا سانس لیا — ایسے میں باہر کھڑے ایک آفیسر نے انسپکٹر جمشید سے کہا :

"آخر یہ کیا ہو رہا ہے ؟"

"قاتل درخت کو آگ لگا کر ختم کیا جا رہا ہے۔"

"کیا مطلب — قاتل درخت ؟"

"ہاں قاتل درخت — یہی ہے وہ — جس نے اتنے انسانوں کو



نگلا ہے — اس گھر میں نہ تو جن رہتے ہیں ، نہ چڑیلیں اور نہ بھوت۔" انھوں نے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے — کیا کوئی درخت بھی انسانوں کو نگل سکتا ہے ؟"

"ہاں ! نگل سکتا ہے — لیکن یہ درخت ہمارے ملک میں نہیں پایا جاتا — یہ ایمیزن کے جنگل میں ایک بہت دور دراز حصے میں ہوتا ہے — وہاں بہت کم لوگ جا پاتے ہیں — اور جو جاتے ہیں ، وہ ان درختوں کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں — اس درخت میں سے ایک قسم کا لعاب سا ٹپکتا رہتا ہے — جو گوند کی طرح لیسدار ہوتا ہے — اس لیس دار لعاب کی زد میں جو آ جاتا ہے ، اس درخت کے پتے اس شخص کو اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔"

"ارے باپ رے — یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟"

"لعاب پر جونہی کسی انسان کا پاؤں پڑتا ہے — وہ گر جاتا ہے اور لعاب کی وجہ سے وہیں چپک کر رہ جاتا ہے — وہ اٹھنے کے قابل نہیں رہتا — البتہ درخت کے پتے اسے اپنے میں لپیٹ کر اٹھا لیتے ہیں — اور پھر یہ پتے اس کا گوشت کیا ہڈیاں اور بال تک ہڑپ کر جاتے ہیں۔"

"ن — نہیں۔" لوگ چلائے۔

"کل کے اخبارات میں ہم ثبوت کے ساتھ ساری تفصیل شائع

کرائیں گے۔ آپ پڑھ لیجیے گا۔"

جب پورا درخت جل کر راکھ ہو گیا تو انسپکٹر جمشید نے حکم دیا:

"اب پھاوڑوں سے اس جگہ کو کھودا جائے، کیونکہ جب تک درخت کی جڑ کو نہیں جلایا جائے گا۔ اس وقت تک یہ پھر اُگتا رہے گا۔ اب چونکہ پتے جل چکے ہیں، اس لیے کوئی خطرہ نہیں رہ گیا۔"

کانسٹیبل اپنا کام کرنے لگے۔ ایسے میں فاروق نے کہا:

"سوال یہ ہے کہ یہاں یہ درخت لگایا کس نے؟"

انھوں نے چونک کر فاروق کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر جمشید کے چہرے پر ایک پُر اسرار مسکراہٹ ناچنے لگی۔



# خانے میں

"بہت اچھا سوال ہے۔ اور میں سوچ ہی رہا تھا کہ یہ سوال تم میں سے کوئی کرتا ہے یا نہیں۔" انسپکٹر جمشید بولے۔

"آپ کا مطلب ہے۔ یہ درخت خود بخود نہیں اُگا۔ یہاں لگایا گیا ہے۔ ایمیزن کے جنگل سے اس کا بیج یا جڑ وغیرہ لا کر یہاں لگایا گیا ہے۔"

"ہاں بالکل۔ خود بخود یہاں کیسے اُگ سکتا ہے۔"

"اور جس نے بھی لگایا ہے۔ اس نے اپنے خاص مقصد کے تحت لگایا ہے۔"

"بالکل یہی بات ہے۔"

"انسپکٹر ساجد کے دو ماتحت ارمان خان اور طوفان خان کسی جرائم پیشہ کا تعاقب کر رہے تھے۔ اخبارات میں یہ بات نہیں دی گئی کہ وہ مجرم کون تھا۔ لہذا اخبارات میں جس نے بھی یہ تفصیل دی تھی۔ ہمیں اس سے ملنا ہو گا۔ کیونکہ اب وہ تو انسپکٹر

ساجد اس دنیا میں ہیں ، نہ ایس پی صاحب — ان کے گم ہونے
کے بعد خبر کس نے اخبارات کو دی ؟
"ڈی ایس پی خالد محمود صاحب نے — وہ ان کے ساتھ اس
مہم میں شریک نہیں تھے ، لیکن بعد میں عمارت سے باہر رہ
کر سارے حالات انھوں نے ہی جمع کیے تھے "
"لہذا وہ ہمیں یہ بتا سکتے ہیں کہ انسپکٹر ساجد کس کیس پر کام
کر رہے تھے "
"بالکل ٹھیک " انسپکٹر جمشید بولے ۔
وہ اسی وقت ڈی ایس پی خالد محمود کے دفتر پہنچے — وہ
انھیں دیکھ کر مسکرائے :
"آپ ضرور نیلے مکان کے سلسلے میں آئے ہیں "
"آپ کا اندازہ درست ہے "
"فرمائیے — کیا پوچھنا چاہتے ہیں ؟"
"جس وقت ایس پی صاحب عمارت کے اندر داخل ہوئے ، آپ
اس وقت کہاں تھے ؟" انسپکٹر جمشید نے پوچھا ۔
"یہ کیسا سوال ہے ؟" وہ حیران رہ گئے ۔
"بس ہے — آپ سوال کا جواب دیں "
"میں اس وقت اپنے دفتر میں تھا — مجھے تو ان کی طرف سے
کوئی اطلاع ہی نہیں مل سکی تھی "



"تب پھر آپ نے اخبارات میں خبر شائع کرانے کے لیے
تفصیل کیسے حاصل کی ؟"
"بعد میں اس جگہ جا کر معلومات حاصل کیں "
"کیا آپ عمارت میں داخل ہوئے تھے ؟"
"نہیں ! میں اتنا بہادر نہیں ہوں " اس نے ہنس کر کہا ۔
"اچھا ! یہ بتا دیں — انسپکٹر ساجد کس کیس پر کام کر رہے تھے ؟"
"ہمارے ملک میں ایک گروہ سرگرم عمل ہے — وہ اس
کا سراغ لگانے کے چکر میں تھے "
"اس گروہ کا نام اور دوسری تفاصیل بتا سکتے ہیں آپ ؟"
"ہاں ضرور — کیوں نہیں — گروہ کا نام کوبرا گروہ ہے — اس کے
ہر کارکن کے پاس پیتل کا ایک پھنیر سانپ ہوتا ہے — یہ گروہ
پورے ملک میں منشیات کا کاروبار کرتا ہے — منشیات کی لعنت
کو پورے ملک میں پہنچاتا ہے — اس کے کسی کارکن کو آج
تک گرفتار نہیں کیا جا سکا — شہر کی سطح پر یہ کیس انسپکٹر ساجد
کے پاس تھا — ارمان خان اور طوفان خان کو اتفاق سے گروہ
کے ایک کارکن کا پتا چل گیا — انھوں نے اس کا تعاقب
شروع کیا — انسپکٹر ساجد کو تعاقب کی اطلاع دی تو وہ ملے نہیں ،
لہذا انھوں نے براہ راست ایس پی صاحب کو اطلاع دی —
ایس پی صاحب بھی ان کی اطلاع پر فوراً دفتر سے نکل کھڑے

ہوئے — اور اس مکان کا شکار ہو گئے — کیا آپ اب تک اس مکان کے بارے میں کوئی سُراغ لگا چکے ہیں؟"

"اس مکان میں ایک درخت لگا ہوا تھا — ہمارے سب ساتھیوں کو اس درخت نے نگلا ہے۔"

"کیا بات کرتے ہیں جناب — درخت بھی انسانوں کو نگلتے ہیں بھلا؟"

"کچھ درخت ایسے بھی ہیں۔" انھوں نے اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

پھر وُہ انسپکٹر ساجد کی تیار کردہ فائل لے کر وہاں سے نکل آئے۔

"مطلب یہ ہوا کہ یہ ساری کارستانی کسی کوبرا گروہ کی ہے۔"

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔" محمود نے کہا۔

"کوبرا گروہ کے باس نے یہ مکان خریدا — اس میں وُہ درخت اُگایا — تاکہ اپنے کسی آدمی کو سزا دینا ہو تو یہاں کا پتا بتا دے — وہ وہاں پہنچے اور درخت کا شکار ہو جائے — یا کسی دشمن کو ہلاک کرنا ہو تو اسے کسی طرح اس مکان تک پہنچا دے۔"

"یہ سب تو ہے — لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ کام ہے کس کا؟"

"چوڑے چہرے والے ایک شخص کا — جس کے بائیں گال پر تل ہے اور ہے بھی وُہ بھاری بھر کم — وہی اس گروہ کا باس ہے — اور ہمیں اب اسی کو تلاش کرنا ہے۔"



"لیکن اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"پہلے گھر جائیں گے، اور وہیں غور کریں گے کہ کام کہاں سے شروع کریں — اسی دوران ہم کھانا کھا لیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔"

اور وُہ گھر پہنچ گئے — بیگم جمشید نے ابھی کھانا ان کے سامنے لگایا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی — بیگم جمشید چونک اُٹھیں، پھر بُرا سا منہ بنا کر بولیں:

"آپ کھانا کھائیں — میں دیکھ لیتی ہوں۔"

"نہیں بیگم — دروازے پر کوئی دشمن بھی ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر جمشید اُٹھتے ہوئے بولے۔

"نہیں — دروازے پر کوئی عورت ہے۔"

"اوہو اچھا! یہ بات تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو؟" انھوں نے حیران ہو کر کہا۔

"آپ کی صحبت میں اتنی جاسوسی تو مجھے بھی آ ہی گئی ہے۔"

"اچھا — وضاحت کرنا — یہ دستک کسی عورت کی کیسے ہو سکتی ہے؟"

"گھنٹی بہت کمزور انداز میں دبائی گئی ہے — گویا ہاتھوں میں جان ہی نہیں ہے۔"

"خیر — تم ہی کھول دو — دیکھا جائے گا۔"

اور پھر انھوں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا: باہر واقعی ایک عورت کھڑی تھی —

"مجھے افسوس ہے — میں نے آپ کو زحمت دی۔"

"کوئی بات نہیں — فرمائیے — کیا بات ہے؟"

"مجھے انسپکٹر صاحب سے ملنا ہے — میرا خاوند کل سے غائب ہے اور پولیس والے اب تک کچھ بھی نہیں کر پائے۔"

"بیگم! انھیں ادھر ہی لے آؤ۔" انسپکٹر جمشید نے صحن سے کہا۔

"آئیے۔" وہ بولیں۔

صحن میں کرسی پر بیٹھنے کے بعد اس نے کہا:

"میرے خاوند کل سے غائب ہیں — وہ بتائے بغیر کبھی گھر سے باہر نہیں رہتے — اگر کبھی کسی ضرورت کے تحت باہر جانا پڑ جائے تو بتا کر جاتے ہیں۔"

"ہوں! اچھا — بیگم ہم کھانا پھر کھا لیں گے — پہلے ان کے ساتھ ان کے گھر جا کر تلاش شروع کرتے ہیں۔"

"نہیں نہیں — آپ کھانا کھا لیں — جہاں اتنا وقت گزر گیا ہے — تھوڑا اور سہی۔"

"نہیں! اب ہمیں کھانا اچھا نہیں لگے گا۔"

اور پھر وہ اسے ساتھ لے کر اس کے گھر کی طرف



روانہ ہو گئے:

"آپ کے خاوند کا نام کیا ہے؟"

"انور تامی۔"

"وہ کیا کام کرتے تھے؟"

"یہ انھوں نے مجھے آج تک نہیں بتایا۔" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونک اٹھے۔

"مطلب یہ کہ میں نے ان سے کئی بار پوچھا — کہ وہ کیا کام کرتے ہیں — لیکن اس بات کا انھوں نے جواب کبھی نہیں دیا — بس ہنس کر ٹال دیتے ہیں — تمھیں آم کھانے سے غرض ہے یا پیڑ گننے سے — تمھیں ہر چیز ملتی ہے، بس یہی کافی ہے۔"

"ہوں خیر — ہم بہت جلد ان کا سراغ لگا لیں گے، آپ فکر نہ کریں۔"

"اسی لیے تو آپ کے پاس آئی ہوں — پولیس اسٹیشن کے تو میں چکر لگا لگا کر تھک گئی ہوں — ان کے کان پر تو جوں تک نہیں رینگی اور آپ نے کھانا تک چھوڑ دیا۔"

"ہم دوسروں کا دکھ اپنا دکھ سمجھتے ہیں۔"

"ضرور ایسا ہی ہے — اور اب مجھے یقین ہو چلا ہے کہ آپ میرے خاوند کو بہت جلد تلاش کر دیں گے۔" اس نے مطمئن ہو کر کہا۔

"ان شاء اللہ!" ان کے منہ سے نکلا۔

"آپ ہمیں ان کی کوئی تصویر دے سکتی ہیں؟"

"تصویر — جی ہاں! ایک تصویر تو میں نے پولیس اسٹیشن میں بھی دی تھی — گھر میں کچھ اور تصاویر بھی ہیں۔"

آخر وہ اس کے گھر تک پہنچ گئے — وہ کافی بڑا مکان تھا — اس پر ایک نظر ڈال کر انسپکٹر جمشید بولے:

"اس کا مطلب ہے — آپ کے خاوند کافی پیسے کما لیتے تھے؟"

"جی ہاں! پیسے کی ان کے پاس میں نے کبھی کمی محسوس نہیں کی۔"

"ہوں خیر — ہم آپ کے گھر کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔"

"ضرور لیں — میں تصاویر نکال دیتی ہوں۔"

"ہاں ٹھیک ہے۔"

انھوں نے گھر کی ایک ایک چیز کی تلاشی لینا شروع کی۔ انہیں چند خطوط ملے — عورت کے خاوند کا نام انور تاجی تھا — یہ خطوط اسے اس کے کسی دوست نے لکھے تھے — دوست کا نام کاشر بھائی تھا — اکثر خطوط میں اسے نصیحتیں ہی کی تھیں کاشر نے — یہ کہ وہ جس راستے پر چل رہا ہے — وہ تباہی کا راستہ ہے —

اسی وقت وہ عورت تین چار تصاویر لے کر آ گئی — ان



تصاویر پر نظر پڑتے ہی انسپکٹر جمشید زور سے اچھلے، ان کی آنکھوں میں حیرت دوڑ گئی:

"کیا ہوا ابا جان؟"

"میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں — یہ منشیات کا دھندا کرتا ہے — کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔"

"جی — کیا مطلب؟" عورت حیران رہ گئی۔

"ہاں! میں غلط نہیں کہہ رہا۔"

"لیکن میری جب سے ان سے شادی ہوئی ہے — یہ دو چار دن سے زیادہ تو کبھی گھر سے باہر نہیں رہے — جب کہ آپ کہہ رہے ہیں، کئی بار کا سزا یافتہ ہے۔"

"یہ آج سے دس سال پہلے تک سزا کاٹتا رہا ہے — ہاں گزشتہ دس سال سے یہ نظر نہیں آیا — آج اتنے عرصے بعد اس کی تصاویر دیکھی ہیں میں نے۔"

"تب یہ بات ہو سکتی ہے — اس لیے کہ میری شادی کو صرف آٹھ سال ہوئے ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے — آپ کی شادی کسی شریف آدمی سے نہیں ہوئی — یہ تو چھٹا ہوا بدمعاش تھا۔"

"لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ آخری بار سزا کے بعد اس نے جرائم سے توبہ کر لی ہو۔"

"ہاں! اس بات کا امکان ہے — لیکن اب چونکہ وہ غائب ہے — اس لیے میرا خیال ہے — ابھی تک جرائم کر رہا ہے۔"

"اللہ اپنا رحم فرمائے — آپ نے تو مجھے پریشان کر دیا ہے۔" عورت نے پریشان ہو کر کہا۔

"لیکن اس میں ہمارا کیا قصور۔"

"قصور آپ لوگوں کا نہیں میرا ہے — جو میں آپ کو یہاں لائی — آپ جا سکتے ہیں، مجھے نہیں تلاش کرانا اپنا خاوند آپ کے ذریعے۔" اس نے اچانک کہا۔

"یہ — یہ آپ کہہ رہی ہیں؟" انسپکٹر جمشید نے جھلا کر کہا۔

"ہاں! مجھے آپ کی مدد نہیں چاہیے۔" اس نے فوراً کہا۔

"مجھے افسوس ہے — اب ہم اس کیس پر کام شروع کر چکے ہیں — اور جب ہم کسی کیس پر کام شروع کر دیتے ہیں تو پھر پیچھے نہیں ہٹا کرتے — اب ہم اپنا کام کر کے ہی جائیں گے۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں — گم میرا خاوند ہوا ہے — اور میں اسے تلاش کرانا نہیں چاہتی۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"لیکن ہم اسے تلاش کرنا چاہتے ہیں۔" وہ مسکرائے۔

"آپ بھی عجیب ہیں۔"

"آپ بھی کم عجیب نہیں ہیں — پہلے تو ہمیں بلا کر لائیں، کہ ہم آپ کے خاوند کو تلاش کر دیں، لیکن جب ہم آ گئے تو اب



تلاش کرنے سے انکار کر رہی ہیں — یہ نہیں ہو سکتا۔" انھوں نے سخت لہجے میں کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی — کرتے رہیں تلاش۔" اس نے کندھے اچکا کر کہا —

انھوں نے پورے مکان کی تلاشی لی — آخر ایک الماری میں وہ ایک خفیہ خانہ کھولنے میں کامیاب ہو گئے — اور پھر وہ چاروں اچھل پڑے —

# وہ آچکا ہے

خفیہ خانے میں پیتل کا ایک پھنیر سانپ رکھا تھا۔ انسپکٹر جمشید نے اسے سر کی طرف سے چٹکی سے اٹھا لیا اور انور تامی کی بیوی کی آنکھوں کے سامنے جھلاتے ہوئے بولے:

"یہ کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتی — یہ کیا ہے؟"

"یہ کوبرا گروہ کا نشان ہے — کوبرا گروہ پورے ملک میں پھیلا ہوا ہے — یہ گروہ منشیات کا کاروبار کرتا ہے — ا پہلے ہی اس گروہ کے چکر میں ہیں — اوہو — یاد آیا — انار اور طوفان خان کسی کا تعاقب کر رہے تھے — اوہ اوہ — کہیں وہ تامی ہی تو نہیں تھا۔" انسپکٹر جمشید نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"کیا مطلب؟" عورت نے چونک کر کہا۔

"کچھ نہیں — آپ کو تو اس سے غرض ہی نہیں ہے کہ انور تامی کو تلاش کریں یا نہیں۔"



"نہیں نہیں — مجھے بتائیں — یہ کوبرا گروہ کا کیا چکر ہے؟"

"بتایا تو ہے — بس اس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتا — آؤ بھئی چلیں۔"

وہ اسے ہکا بکا چھوڑ کر باہر نکل آئے — کاشر بھائی کے خطوط پر اس کا پتا لکھا ہوا تھا — اب وہ اس پتے پر پہنچے — کاشر بھائی ایک جوان آدمی تھا — اس نے سوالیہ نظروں سے اُن کی طرف دیکھا:

"آپ ہی کاشر بھائی ہیں؟"

"جی ہاں! فرمائیے — میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"آپ انور تامی کے دوست ہیں؟"

"ہاں کیوں — کیا ہوا اسے؟"

"وہ ایک مشکل میں گرفتار ہو گیا ہے — آپ اس کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں؟" انھوں نے گول مول انداز میں کہا۔

"آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟" اس نے پریشان ہو کر کہا۔

"وہ کیا کام کرتا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"آپ جھوٹ نہ بولیں۔"

"کیا مطلب؟" اس نے گھبرا کر کہا۔

"مطلب یہ کہ آپ کے خطوط ہمارے پاس ہیں — یہ دیکھئے۔"

یہ کہہ کر انھوں نے وہ خطوط نکال کر اس کے سامنے پھیلا دیے۔

"ارے باپ رے — یہ آپ کو کہاں سے مل گئے۔ آپ کون لوگ ہیں؟"

"مجھے انسپکٹر جمشید کہتے ہیں اور یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں۔"

"نہیں!" اس کے منہ سے نکلا۔

"اس میں نہیں کی کیا گنجائش — ہمارے نام یہی ہیں۔"

"آپ — الفردامی کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"وہ کل سے غائب ہے — اس کی بیوی نے پولیس اسٹیشن میں اس کی گم شدگی کی رپورٹ درج کرائی ہے — اور ذاتی طور پر ہمارے پاس بھی آئی تھی — لہٰذا ہم اس کی تلاش میں ہیں، اس کے گھر سے ہمیں آپ کے یہ خطوط ملے ہیں، اب آپ بتائیں — یہ کیا کرتا ہے؟"

"جرائم کی دنیا میں تو یہ پہلے ہی پھنسا ہوا تھا، لیکن اب آ کر اس نے خطرناک ترین گروہ — کوبرا گروہ میں شرکت کر لی ہے اور میں اسے منع کرتا رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں — آپ کو کوبرا گروہ کے بارے میں کیا معلوم ہے؟"

"اس نے بتایا تھا — کہ یہ ایک خطرناک گروہ ہے اور اس کا باس حد درجے سخت انسان ہے — ظالم ترین۔"

"اور کوئی بات — بتا سکتے ہیں آپ ہمیں؟"



"اس نے بتایا تھا کہ گروہ کے باس کی خوبی یہ ہے کہ وہ اپنا کوئی آدمی پولیس کے ہاتھ نہیں لگنے دیتا۔"

"اوہ — تو یہ بات ہے۔"

"کیا مطلب — کیا بات ہے؟"

"اس گروہ کا کوئی آدمی پولیس کے ہاتھ بے شک نہیں لگ سکا آج تک — لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہ اپنے آدمیوں کو خود بھی سزا نہیں دیتا — جس کے پیچھے پولیس لگ جاتی ہے — وہ اسے خود موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے۔"

"کیا کہا؟" وہ چلا اٹھا۔

"ہاں! ہمیں آپ کی انگلیوں کے نشانات کی ضرورت ہے۔"

"جی! میری انگلیوں کے نشانات کی ضرورت — کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ ہمیں آپ کی انگلیوں کے نشانات کی ضرورت ہے۔"

"آخر کیوں؟"

"بس ہے ضرورت — محمود — نشانات لے لو۔"

اس نے خوف زدہ انداز میں نشانات دے دیے — وہ باہر نکل گئے۔

"اب کیا کریں؟"

"گروہ کا باس کون ہے — اصل سراغ اس بات کا لگانا ہے — لیکن ہمارے پاس اس کا سراغ لگانے کا ابھی

کوئی ذریعہ نہیں ہے، کیونکہ انور تاج ختم ہو چکا ہے — ہم سراغ لگا سکیں گے تو کسی عام کارکن کا — باس تو گویا سات پردوں میں چھپا بیٹھا ہے۔" انسپکٹر جمشید نے منہ بنایا۔

"منشیات کے اڈوں پر چھاپے۔" محمود نے کہا۔

"کیا کہا؟" انسپکٹر جمشید چونکے۔

"پولیس کو اور ہمارے محکمے کو منشیات کے جن اڈوں کا پتا ہے — ان پر اچانک چھاپے مارے جائیں۔"

"اس سے کیا ہو گا — عام کارکن ہی پکڑے جائیں گے — اس نے — ارے ہاں یاد آیا — مکان خریدتے وقت اس نے کاغذات پر دستخط کیے ہوں گے — ہم کم از کم اس کے دستخط حاصل کر سکتے ہیں۔"

"ضرور حاصل کر سکتے ہیں — لیکن — سوال یہ ہے کہ اس سے فائدہ کیا اٹھا سکیں گے؟"

"یہ بعد کی بات ہے — پہلے دستخط تو حاصل کر لیں، پھر ہم کریں گے یہ کہ اس کیس سے متعلق تمام لوگوں کے دستخط حاصل کریں گے — اور ان سے ملا کر دیکھیں گے، کیونکہ وہ دستخط جعلی نہیں ہو سکتے — اب یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اس کے بعد اس نے جہاں کہیں بھی دستخط کیے ہوں گے، وہ جعلی کیے ہوں گے، میرا خیال ہے، رجسٹری کے کاغذات پر دستخط کی طرف اس



کا کبھی خیال بھی نہیں گیا ہو گا — تو چلیں۔"

وہ اسی وقت کچہری آئے — وہاں سے اس مکان کا ریکارڈ نکلوایا گیا — اس پر خریدنے والے کا نام اور دستخط موجود تھے — یہ نام اور دستخط دیکھ کر ان کے جسموں میں ہل چل مچ گئی — وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ اس قدر آسانی سے مجرم کا سراغ انھیں مل جائے گا — لیکن اب سوال یہ تھا کہ وہ انھیں تلاش کس طرح کریں —

"اب کیا کہتی ہو فرزانہ؟"

"مجرم کہیں نہ کہیں بیٹھ کر اپنے سارے گروہ کو کنٹرول کرتا ہے — یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کا کوئی مستقل ٹھکانا نہ ہو — ہمیں وہ ٹھکانا تلاش کرنا ہو گا۔"

"لیجیے — اب اس کا ٹھکانا تلاش کرنا ہو گا — اور ٹھکانے پر بھی وہ نہ ملا تو؟" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابھی ٹھکانا ملا نہیں اور یہ پہلے ہی سوچا جا رہا ہے کہ وہ ٹھکانے پر ملے گا یا نہیں۔"

"ایک منٹ — آپس میں لڑو نہیں — غور سے کام لو — ہم اب اس قابل ہیں کہ مجرم کی انگلیوں کے نشانات حاصل کر سکتے ہیں — اس کے گھر کی تلاشی بھی لے سکتے ہیں — اگرچہ یہ تلاشی خفیہ طور پر لی جا سکے گی — تاکہ وہ ہوشیار نہ ہو جائے۔"

"یہ کام آپ ہمارے ذمے لگا دیں۔" محمود نے پُرجوش انداز میں کہا۔

"بہت خوب! یہ ہوئی نا بات، لیکن تم جاؤ گے کیسے؟"

"ہم میک اپ میں جائیں گے۔ کسی نہ کسی بہانے اس کے گھر میں داخل ہو جائیں گے۔ اور وہاں سے بہت کچھ لے آئیں گے۔"

"بس ٹھیک ہے۔ یہ مہم میں تم لوگوں کے سپرد کرتا ہوں اور خود ذرا آرام کروں گا۔"

"ہم سمجھ گئے۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا سمجھ گئے؟" وہ بولے۔

"یہ کہ آپ گھر بیٹھ کر ذہن دوڑائیں گے۔ کہ مجرم کو کس طرح گرفتار کیا جا سکتا ہے۔"

"یہ بات بھی ٹھیک ہے۔" وہ مسکرائے۔

وہ گھر آ گئے۔ انسپکٹر جمشید نے ان کے چہروں پر خود میک اپ کیا اور کام مکمل ہونے پر بولے:

"ایک بات کا خیال رکھنا۔ تم اس گھر میں بہت زیادہ غیر محفوظ ہو گے۔ مجرم اگر وہاں ہوا یا وہاں کہیں چھپا ہوا۔ اور اس نے تمہیں پہچان لیا تو پھر وہ تم پر کاری وار کرے گا۔"

"اللہ مالک ہے۔ ہم احتیاط کریں گے۔"



اور پھر وہ گھر سے نکل آئے۔ تھوڑی دیر بعد وہ مجرم کے گھر کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ جلد ہی ایک ملازم نے دروازہ کھولا:

"جی فرمائیے۔"

"ہمیں بیگم صاحبہ سے ملنا ہے۔"

"وہ تو گھر میں نہیں ہیں۔ کہیں گئی ہوئی ہیں۔"

"کس وقت تک آ جائیں گی؟"

"کچھ بتا کر نہیں گئیں۔"

"کیا ہم یہاں انتظار کر سکتے ہیں؟"

"میں آپ کو ڈرائنگ میں بٹھا دیتا ہوں۔ لیکن خیال رہے، بہت دیر لگ سکتی ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ہم انتظار کر لیں گے۔"

"اچھی بات ہے۔ آئیے۔ آپ کے نام کیا ہیں؟"

"حامد، عمر اور عقیل۔" محمود نے دل میں مسکرا کر کہا۔ فرزانہ نے اسے ایک نظر گھور کر دیکھا، جیسے کہہ رہی ہو، یہ تم نے میرا نام کیسا بتایا۔

"آئیے اندر۔"

وہ انھیں ڈرائنگ روم میں لے آیا اور بٹھا کر باہر جانے لگا۔ جاتے ہوئے اس نے پوچھا:

"چائے پئے گی"
"جی نہیں — اس بے چاری کے پاؤں کہاں" فاروق بولا۔
"اور میرا یہ مطلب نہیں تھا"
"ہم صرف صبح چائے پیتے ہیں یا شام اور ابھی شام دور ہے"
"بہت خوب" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔
کچھ دیر وہ خاموش رہے — پھر فرزانہ نے محمود کو گھورتے ہوئے کہا:
"تو میں عقیلہ ہوں"
"یہ نام پسند نہیں آیا، کمال ہے"
"پرانا قسم کا نام ہے"
"دراصل میں نے تینوں ناموں کی مناسبت سے نام بتائے ہیں، لہٰذا اسی سے گزارا کر لو"
"اب تو کرنا ہی پڑے گا"
"لیکن اب ہم یہاں کب تک...."
اسی وقت دروازے کی گھنٹی بجی — ان کے کان کھڑے ہو گئے:
"شش — شاید بیگم آ گئیں"
"لل — لیکن — ہم ان سے کہیں گے کیا" محمود نے گھبرا کر کہا۔
"ارے باپ رے — یہ تو ہم نے ابھی تک سوچا ہی



نہیں" فاروق بولا۔
"جلدی سے سوچو — بلکہ یہ کام فرزانہ کا ہے — فرزانہ جلدی کرو"
"توبہ ہے — پہلے کیوں خیال نہ دلایا — اب اس قدر جلدی میں اگر میں اُلٹ پلٹ سوچ گئی تو"
"کوئی بات نہیں — دیکھا جائے گا"
انھوں نے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی — پھر قدموں کی آواز سنائی دی — آخر ایک ادھیڑ عمر عورت اندر داخل ہوئی:
"السلام علیکم" تینوں ایک ساتھ بولے۔
"وعلیکم السلام — مگر آپ ہیں کون" اس نے پوچھا۔
انھوں نے دیکھا، دروازے پر ملازم بھی کھڑا تھا۔
"وہ ذرا ایک گلاس پانی تو منگوا دیں" فرزانہ نے کہا۔
"قاسم — پانی لاؤ"
"جی بہتر" اس نے کہا اور چلا گیا۔
"ہم جاسوس ہیں جاسوس" فرزانہ نے دبی آواز میں کہا۔
"کیا مطلب — جاسوس" وہ چونک کر بولی۔
"ہاں جناب جاسوس — آپ یوں سمجھ لیں کہ پرائیویٹ جاسوس"
"یہاں آپ کا کیا کام" اس نے جھنا کر کہا۔
"اگر کام نہ ہوتا تو...."

اسی وقت ملازم پانی کا گلاس لے آیا — محمود نے گلاس لیا اور غٹا غٹ پی گیا، پھر فوراً بولا:

"ارے! پانی تو منگوایا تھا تم نے — اور پی گیا میں — حد ہو گئی۔"

"کوئی بات نہیں — پانی اور آ جاتا ہے — جاؤ بھئی — پانی لے آؤ — بلکہ جگ میں لے آنا۔"

"بہت بہتر۔" اس نے کہا اور چلا گیا۔

"بات دراصل یہ ہے کہ — ہم اس کے سامنے آپ سے بات نہیں کرنا چاہتے۔"

"کیوں! یہ تو ہمارا بہت ہی قابلِ اعتبار ملازم ہے۔" اس نے منہ بنایا۔

"ہو گا، آپ کے لیے — ہمارے لیے نہیں۔" فرزانہ نے منہ بنایا — محمود اور فاروق حیران تھے کہ یہ ہو کیا رہا ہے — فرزانہ کیا کر رہی ہے —

"خیر — میں اسے ہٹا دیتی ہوں۔" اس نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

ملازم پانی کا جگ لے آیا تو عورت نے کہا:

"قاسم — میرے کپڑے تیار ہو گئے ہوں گے — وہ لے آؤ۔"

"آپ کے آنے سے پہلے میں یہ کام کر چکا ہوں، آپ کے



کپڑے آ چکے ہیں۔"

"اوہو اچھا۔" اس نے کہا۔

"خیر — تم ان کے لیے کھانا تیار کرو — یہ یہیں ٹھہریں گے۔"

"کھانا تو پہلے ہی تیار کر چکا ہوں۔"

"اچھا — اب تم آرام کرو۔"

"جی وہ بھی کر چکا ہوں — اب مجھے آرام کی بھی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بولا۔

"اچھا کوئی کام تمہارے پاس کرنے کا ہے؟"

"ان لوگوں کی نگرانی کا کام ہے میرے ذمے۔" اس نے بے خوف ہو کر کہا۔

"کیا فرمایا آپ نے؟"

"صاحب کا حکم یہی تھا — جب بھی گھر میں کوئی اجنبی آئے — میں اس کی پوری طرح نگرانی کروں — اور اس وقت تو گھر میں تین اجنبی موجود ہیں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ہمیں اجازت دیں۔" محمود نے جل کر کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"نن — نہیں — نہیں — آپ بیٹھیں — قاسم — تم نے سنا نہیں، جاؤ۔"

"تب پھر — اگر ان کی وجہ سے گھر کو کوئی نقصان پہنچا تو مجھے نہ کہیے گا۔"

"ہاں نہیں کہوں گی" عورت نے جل کر کہا۔

"اچھی بات ہے" اس نے بھی تلملا کر کہا اور دروازے کے پاس سے ہٹ گیا۔ وہ اس کے جاتے قدموں کی آواز سنتے رہے۔

"چلیے۔ اب بتائیے۔ کیا بات ہے" وہ اٹھ کر گئی دروازہ بند کرنے۔

"نہیں۔ آپ دروازہ بند نہ کریں۔ وہ پھر آ جائے گا اور ہماری باتیں سننا شروع کر دے گا"

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں اسے حکم دے چکی ہوں" عورت نے بُرا سا منہ بنایا۔

"خیر۔ تجربہ کر لیتے ہیں۔ آپ چٹخنی لگا دیں"

اس نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ ساتھ ہی محمود نے اٹھ کر چٹخنی اس طرح گرا دی کہ آواز پیدا نہ ہو سکی۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" عورت دبی آواز میں بولی۔

"وہ آئے گا اور دروازے کے پاس کھڑا ہو کر اندر ہونے والی بات سننے کی کوشش کرے گا"

"آپ کو وہم ہو گیا ہے"

"ابھی تھوڑی دیر بعد معلوم ہو جائے گا کہ ہمیں وہم ہو گیا ہے یا آپ خوش فہمی میں مبتلا ہیں"



"اچھی بات ہے۔ آپ بات شروع کریں"

"ابھی ہم بات بھی شروع نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ اس کا خطرہ نہ ٹل جائے"

"کیا کہا۔ خطرہ؟" وہ حیران ہو کر بولی۔

"ہاں! اس کی نگرانی کا خطرہ"

"اچھی بات ہے۔ ادھر اُدھر کی باتیں تو کر ہی لیں۔ آپ ہیں کون؟"

"ہمارے نام حامد، عمر اور عقیلہ ہیں"

"میں نے نام نہیں پوچھے۔ کام پوچھے ہیں"

"کام نہیں بتا سکتے۔ جب تک کہ خطرہ نہ ٹل جائے"

"خطرہ۔ خطرہ۔ خطرہ۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں۔ اگر آپ نے جلدی سے وضاحت نہ کی تو میں خود آواز دے کر اسے بلا لوں گی اور اس سے کہوں گی کہ آپ کو رخصت کر دے"

"اس سے کہنے کی ضرورت نہیں۔ ہم خود چلے جائیں گے" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"خیر۔ میں اب الجھن محسوس کر رہی ہوں"

"آپ کہاں گئی تھیں؟"

"آپ کو مطلب۔ میں کہیں جاؤں۔ نہ جاؤں۔ آپ کون ہوتے ہیں پوچھنے والے" اس نے جھلا کر کہا۔

"آپ کو اس سوال پر اتنا غصّہ کیوں آیا؟"

"غصّہ آئے میرے دشمنوں کو۔"

"آمین" تینوں ایک ساتھ بولے۔

اور وہ انھیں اور بھی تیز نظروں سے گھورنے لگی۔ ایسے میں فرزانہ نے سرگوشی کی:

"وہ ۔۔ وہ آ چکا ہے۔"

"غلط بالکل غلط۔" عورت نے کہا۔

"ایک منٹ۔"

یہ کہہ کر محمود دبے پاؤں دروازے تک گیا اور ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔ دوسرا لمحہ اس عورت کے لیے تو حیران کن تھا ہی۔ خود ان کے لیے بھی حیرتوں بھرا تھا۔



# کیا!!!

دروازے پر ملازم نہیں کوئی اور کھڑا تھا۔

"یہ کون ہیں ۔۔ ہمیں تو دروازے پر قاسم صاحب کی امید تھی۔" فاروق نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

"بہت خوب! یہاں کیا ہو رہا ہے؟" اجنبی بولا۔

"آپ بتائیے، یہاں کیا ہو رہا ہے؟" محمود نے طنزیہ لہجے میں عورت سے کہا۔

"لیکن اس سے پہلے ہمیں یہ بتا دیں ۔۔ کہ یہ کون صاحب ہیں۔" فاروق نے کہا۔

"یہ ۔۔ یہ میرے بھائی ہیں ۔۔ مسرور لبانا۔"

"کیا یہ یہاں رہتے ہیں، آپ کے ساتھ؟"

"نہیں ۔۔ علیحدہ رہتے ہیں۔"

"گویا اس وقت اتفاق سے آپ سے ملنے آئے ہیں۔" فرزانہ نے کہا۔

"ہاں ! اکثر آتے رہتے ہیں۔"

"ابھی تک مجھے بتایا نہیں گیا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے؟" سرور بانا نے منہ بنایا۔

"میں خود بھی نہیں جانتی ۔۔ یہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"کیا مطلب؟" سرور بانا نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

"پہلے آپ اپنے ملازم قاسم کو یہاں بلائیں۔" محمود نے کہا۔

"قاسم ۔۔ ادھر آؤ۔" عورت نے جھلا کر کہا۔

لیکن جواب میں قاسم کی آواز سنائی نہ دی ۔

"لیجیے ۔۔ قاسم صاحب تو رخصت ہو گئے۔"

"یہ ۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

"حد ہو گئی ۔۔ آخر مجھے کب تک بتایا جائے گا کہ یہ سب چکر کیا ہے۔"

"پہلے قاسم کو تلاش کرنا چاہیے ۔۔ میں ابھی آتا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکلا اور اپنی گاڑی میں لگے فون کے ذریعے اکرام سے رابطہ قائم کیا :

"ہیلو انکل ۔۔ ایک پتا نوٹ کر لیں ۔۔ آپ سادہ لباس والوں کے ساتھ فوراً یہاں آ جائیں ۔۔ ہم یہیں ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور واپس کمرے میں آ گیا ۔۔ سب کے سب دم بخود سے کھڑے تھے ۔۔



"آپ کہاں چلے گئے تھے؟" سرور بانا نے جتا کر کہا۔

"ایک ضروری پیغام دینے گیا تھا۔"

"اب آپ پہلی فرصت میں بتائیں ۔۔ آپ کون ہیں، کیا چاہتے ہیں اور یہاں کیا چکر چلا رہے ہیں؟"

"ہم تو چلانے جانے والے چکروں کے چکر ختم کرتے پھرتے ہیں ۔۔ ہم بے چارے کیا چکر چلائیں گے ۔۔ آپ کو میری بات سن کر چکر تو نہیں آیا؟" فاروق نے شوخ آواز میں کہا۔

"مجھے کیوں آنے لگا۔" سرور بانا جل بھن گیا۔

"ان لوگوں کا کہنا ہے ۔۔ یہ جاسوس ہیں ۔۔ پرائیویٹ جاسوس۔" عورت نے کہا۔

"ہوں گے، ہمیں کیا ۔۔ سوال تو یہ ہے کہ یہ چاہتے کیا ہیں؟" سرور بانا بولا۔

"ایک بہت بڑے راز سے پردہ اٹھانا چاہتے ہیں۔"

"لیکن اس بڑے راز کا ہمارے گھر سے کیا تعلق ہے۔"

"اگر تعلق نہ ہوتا تو ہم کیوں آتے۔"

"تو پھر وضاحت کریں ۔۔ وہ بڑا راز ہے کیا اور ہم لوگوں کا اس راز سے کیا تعلق ہے؟"

"اس کے لیے ہمیں اس گھر کی تلاشی لینا ہو گی ۔۔ کیا آپ ہمیں اجازت دیتے ہیں؟"

"نہیں — ہم کیوں دیں اجازت — کیا ہم نے کوئی جرم کیا ہے؟"

"پتا نہیں۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"کیا مطلب — کیا پتا نہیں۔" سرور بابا نے جل کر کہا۔

"ہمیں نہیں معلوم کہ آپ لوگوں نے کوئی جرم کیا ہے یا نہیں۔"

"ارے تو پھر آپ چاہتے کیا ہیں؟" اس نے چیخ کر کہا۔

"اس گھر کی تلاشی لینا۔"

"آپ ہیں کون تلاشی لینے والے؟" عورت بولی۔

"ہم اپنا نام بتا چکے ہیں۔"

"سرور! یہ ہمیں پاگل کر دیں گے۔ پولیس کو بلاؤ — اب انھیں پولیس کے حوالے کرنا ہو گا۔"

"ہاں ہاں! یہ ٹھیک رہے گا۔"

"پولیس کو ضرور بلائیں، لیکن پہلے قاسم کا کچھ کریں — آخر وہ چپ چاپ کہاں چلا گیا۔"

"ہم اسے خود تلاش کر لیں گے — آپ اپنی فکر کریں۔" سرور نے کہا اور فون کی طرف بڑھ گیا — انھوں نے اپنی جگہ سے کوئی حرکت نہ کی — بس اسے فون کرتے دیکھتے رہے — آخر ریسیور رکھ کر وہ ان کی طرف پلٹا:

"پندرہ بیس منٹ تک پولیس آ جائے گی۔"

"اس کا مطلب ہے — پندرہ بیس منٹ ہمارے پاس



ہیں — اب بھی وقت ہے — ان پندرہ بیس منٹ میں ہمیں تلاشی لینے دیں۔" محمود نے مسکرا کر کہا۔

"خبردار! آپ لوگوں کا ضرور دماغ خراب ہے — اب آپ کچھ نہ بولیں۔"

"اچھی بات ہے — اب جب تک پولیس نہیں آ جاتی — ہم کچھ نہیں بولیں گے۔" محمود نے جل کر کہا۔

دس منٹ بعد دروازے پر دستک ہوئی — انداز اکرام کا تھا:

"جائیے — آ گئی پولیس، لے آئیے اسے۔" فرزانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"حیرت ہے — بہت جلد آ گئی۔"

"ہمارے ملک کی پولیس ہے، مذاق تو نہیں ہے۔" یہ کہہ کر سرور بابا باہر کی طرف چلا گیا۔

واپس آیا تو اس کے ساتھ اکرام تھا:

"یہ کیا — ہمارا تو خیال تھا — پولیس آ پہنچی ہے۔" عورت بولی۔

"نہیں — ابھی پولیس نہیں آئی — یہ صاحب آئے ہیں — ان کا کہنا ہے کہ اندر ان کے تین ساتھی موجود ہیں — انھیں ان سے بات کرنا ہے۔"

"اوہ! تو یہ ان کے ساتھی ہیں۔" اس نے محمود، فاروق اور

فرزانہ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں! ان کا کہنا تو یہی ہے ۔۔ کرلیں جناب ۔ کیا بات کرنا ہے۔" اس نے اکرام سے کہا۔

ادھر اکرام حیرت زدہ تھا، اسے وہاں محمود، فاروق اور فرزانہ کہیں بھی نظر نہیں آ رہے تھے ۔ آتے بھی کیسے ۔ وہ تو بہترین قسم کے میک اپ میں تھے ۔۔

"ہم اس عمارت کی تلاشی لینا چاہتے ہیں ۔ ہمارے خیال میں اس عمارت سے کچھ قابلِ اعتراض چیزیں مل سکتی ہیں۔" محمود نے اپنی آواز میں کہا۔

"کیا!!" اکرام اچھل پڑا۔

"نہیں جناب! ان حضرت کا خیال غلط ہے ۔ یہاں کوئی غیر قانونی چیز نہیں ہے ۔ ویسے آپ کون ہیں؟"

"میرا تعلق محکمہ سراغرسانی سے ہے ۔ سب انسپکٹر اکرام۔"

"اوہ! یہ ہمارے گھر میں محکمہ سراغرسانی کیسے آگیا؟"

"یہ ان لوگوں کا چکر ہے۔" سرود لبانا نے کہا۔

"مسٹر قاسم کہاں ہیں؟"

"ہمیں کیا پتا۔"

"انکل! اس گھر کی تلاشی شروع کرائیں۔"

"خبردار! آپ لوگ ہمارے خلاف کوئی سازش کر رہے



ہیں ۔۔ اور ہم آپ کی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔" سرود نے چلّا کر کہا۔

عین اس وقت دروازے کی گھنٹی ایک بار پھر بجی ۔ اس بار پولیس تھی ۔۔ ایک پولیس آفیسر چند کانسٹیبلوں کے ساتھ اندر آ گیا ۔۔ وہ اکرام کو دیکھ کر چونکا:

"اوہو! آپ بھی یہاں ہیں۔" اس نے ان سے ہاتھ ملایا۔

"ہاں! میں اس کوٹھی کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔"

"پہلے آپ ہم سے سنیں ۔۔ آپ کو میں نے بلایا ہے۔" سرود لبانا بولا۔

"چلیے ۔ پہلے آپ بتا دیں ۔۔ ہمیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔" پولیس آفیسر کی بجائے اکرام نے کہا۔

پہلے عورت نے ان کی پُراسرار آمد کے بارے میں تفصیل سے بتایا، پھر سرود نے تفصیل سنائی ۔۔ اس کے خاموش ہونے پر اکرام نے کہا:

"ہم ان تینوں کی بھی چھان بین کریں گے ۔۔ آپ پہلے تلاشی لینے دیں۔"

"لیکن ہم آپ کو تلاشی کی اجازت نہیں دے سکتے ۔ اس کے لیے آپ کو وارنٹ لانا ہوں گے۔"

"وارنٹ!" اکرام کے منہ سے نکلا۔

"ہاں جناب وارنٹ — آپ خود سوچیں۔"

"ہاں ! میں سوچ رہا ہوں — انسپکٹر صاحب ! آپ اسی وقت جا کر وارنٹ لے آئیں — میں یہاں ٹھہرتا ہوں — سپیشل برانچ سے۔" اکرام بولا۔

"جیسے آپ کی مرضی۔"

اور وہ چلا گیا — تھوڑی دیر بعد وہ تلاشی کے وارنٹ لے کر آ گیا۔

"لیجیے یہ رہے وارنٹ — اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں رہا؟"

"حیرت ہے — یہ اس قدر جلد وارنٹ کس طرح لے آئے؟" سرور لبانا بولا۔

"سپیشل برانچ میں جا کر اکرام صاحب کا نام لینے کی دیر تھی کہ وارنٹ جاری کر دیے گئے۔"

"اچھی بات ہے — آپ تلاشی لے لیں۔"

سب کی موجودگی میں تلاشی لی گئی — مجرم کی انگلیوں کے نشانات، خطوط اور بہت سی دوسری چیزیں مل گئیں — لیکن ان تمام چیزوں میں سے کسی سے بھی اسے مجرم ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا — انھیں تو کسی ایسی چیز کی تلاش تھی جس کے ذریعے اسے مجرم تلاش کیا جا سکتا —



"ہم سمجھ نہیں سکے — آپ کو تلاش کس چیز کی ہے؟"

"ایک ایسی چیز کی — جس کے بارے میں ہم خود بھی نہیں جانتے۔" اکرام مسکرایا۔

"اور یہ تینوں کون ہیں — اب تو یہ بھی آپ کے ساتھ تلاشی لے رہے ہیں۔" سرور لبانا نے جلے کٹے انداز میں کہا۔

"یہ بھی ہمارے ساتھی ہی ہیں۔" سب انسپکٹر اکرام نے تنگ آ کر کہا۔

"کیا کہا — یہ آپ کے ساتھی ہیں؟"

"ہاں ! آپ نے انھیں بطور مہمان قبول نہیں کیا، ورنہ ہمیں یہاں آنے کی ضرورت نہیں تھی — یہ خود ہی اپنا کام کر لیتے۔"

"آخر یہ چکر ہے؟"

"لیجیے — میں ان کے اصل نام آپ کو بتا دیتا ہوں — یہ محمود، فاروق اور فرزانہ ہیں — یعنی انسپکٹر جمشید کے بچے۔" اکرام نے مسکرا کر کہا۔

"کیا !!!" وہ چلا اٹھے — پولیس آفیسر بھی دھک سے رہ گیا۔

"جی ہاں ! لیکن افسوس ! ہم بھی یہاں آ کر کچھ نہیں کر سکے — ویسے ہمیں اس بات پر بھی حیرت ہے کہ گھر کا ملازم قاسم کہاں غائب ہو گیا۔" محمود نے کہا۔

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔" فرزانہ بُرا سا منہ بنا کر بولی۔

"کیا مطلب — کوئی مسئلہ نہیں؟" محمود نے اسے گھورا۔

"ہاں! قاسم کا کوئی مسئلہ نہیں — اسے میں جب چاہوں گی، وہ یہاں موجود ہو گا۔" فرزانہ نے پُراسرار انداز میں کہا۔

"کیا کہنا چاہتی ہو بھئی؟" فاروق نے منہ بنا کر کہا۔

"یہ کہ قاسم کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں — تلاشی پر توجہ دینے کی ضرورت ہے — آخر ہم وہ چیز کیوں تلاش نہیں کر سکے — جس کی ہمیں ضرورت ہے۔" فرزانہ نے جلدی جلدی کہا۔

"ہو سکتا ہے — وہ چیز اس گھر میں رکھی ہی نہ گئی ہو۔"

"اس بات کا بھی امکان نہیں۔"

"خیر! ہم ایک بار پھر کوشش کر لیتے ہیں۔" اکرام نے کہا۔

"لیکن پہلے قاسم کا مسئلہ کیوں نہ حل کر لیں — میں اُلجھن محسوس کر رہا ہوں — خاص طور پر فرزانہ کی بات سننے کے بعد — فرزانہ تم نے کہا ہے — تم جب چاہو گی — قاسم یہاں موجود ہو گا۔"

"ہاں! یہی بات ہے۔"

"تب پھر پہلے تم قاسم کو بُلا لو — تاکہ ہم اس سے دو



دو باتیں کر سکیں۔"

"اسے بُلانے کی ضرورت نہیں — اس لیے کہ وہ یہیں موجود ہے۔" فرزانہ نے کہا۔

"کیا!!!" وہ اچھل پڑے۔

گھر کے افراد بھی حیرت زدہ رہ گئے — اب سب فرزانہ کو گھور رہے تھے اور فرزانہ کی نظریں ان میں سے صرف ایک پر جمی تھیں —

# آئیے اندر

"کیا مطلب فرزانہ — تم کیا کہنا چاہتی ہو؟"

"یہ کہ سرور لبانا صاحب ہی دراصل قاسم ہے — یا پھر قاسم صاحب نے سرور لبانا کا روپ دھار لیا ہے۔"

"لیکن کیوں — ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"قاسم ہماری نظروں میں آ گیا تھا — ہم نے جب اسے پانی لینے کے لیے بار بار بھیجا اور پھر اسے رخصت کرنے کے لیے کہا تو اسے شک ہو گیا — وہ پہلے ہی اس گھر میں ملازم کے روپ میں رہتا ہے — لہٰذا میک اپ ختم کر کے اصلی روپ میں آنے میں اسے کوئی دقت نہ ہوئی — اب ہم بیگم صاحبہ کے بھائی کو یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ چلتے پھرتے نظر آئیں — ملازم کو ایک طرف کرنے کے بارے میں کہہ سکتے تھے — سرور لبانا نے سوچا، ہمارے ساتھ ساتھ رہنے کا اب یہی طریقہ ہے کہ وہ سرور لبانا بن جائے



قاسم کا روپ ختم کر دے۔"

"لیکن یہ حضرت یہاں ملازم کے روپ میں کیوں رہ رہے ہیں؟"

"یہ ان سے پوچھنا چاہیے — نہ کہ مجھ سے۔" فرزانہ مسکرائی۔

"کیوں مسٹر لبانا — اس بات کا آپ کے پاس کیا جواب ہے؟" اکرام بولا۔

"یہ میری بہن کا گھر ہے، میں یہاں جس طرح چاہے، رہ سکتا ہوں۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"جواب معقول ہے۔" فاروق مسکرایا۔

"میرا خیال ہے — اب ہمیں یہاں سے چل دینا چاہیے۔" اکرام نے کہا۔

"ہاں انکل! یہاں سے ہمیں کوئی کام کی چیز نہیں مل سکی۔"

اور وہ معذرت کر کے باہر نکل آئے:

"یہ تو کچھ بھی نہیں ہوا۔" اکرام نے منہ بنایا۔

"مجھے بھی اجازت دیں — یونہی وقت ضائع ہوا — پولیس آفیسر نے کہا۔

"ہاں! ٹھیک ہے — آپ چلیے — اور میں بھی دفتر جاتا ہوں — تم لوگوں کا کیا پروگرام ہے؟"

"پروگرام رنگین ہے — ابھی بتاتے ہیں۔"

"میں چلا۔" پولیس آفیسر نے کہا اور اپنی جیپ کی طرف بڑھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد سب انسپکٹر اکرام نے ان کی طرف دیکھا:

"اب آپ کیا کہتے ہیں؟"

"اس کوٹھی کی بہت ہی خفیہ طور پر نگرانی اور رات میں کسی وقت ہم اس میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔ ہمیں نہ روکا جائے۔ دوسرے یہ کہ ضرورت پڑنے پر ہمیں مدد مل جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ نگرانی اسی وقت سے شروع کرا رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

اب وہ گھر پہنچے۔ ان کے لٹکے چہرے دیکھ کر انسپکٹر جمشید مسکرا دیئے:

"میں پہلے ہی جانتا تھا۔ تم وہاں رات نہیں گزار سکو گے، وہ بہت چالاک ہے۔ رجسٹری والی غلطی بھی نہ جانے اس سے کس طرح سرزد ہو گئی۔ ہو سکتا ہے۔ اس وقت اس کا پروگرام یہ نہ رہا ہو۔ اس وقت وہ ایک جرائم پیشہ نہیں ہو گا۔ بعد میں جرائم کا راستا اختیار کیا ہو گا اور اس پہلو کی طرف اس کا دھیان نہیں گیا ہو گا۔ لیکن اب وہ کوئی ایسا پہلو نہیں چھوڑ سکتا۔" انھوں نے جلدی جلدی کہا۔

"پہلے آپ وہاں ہونے والی کارروائی کے بارے میں



سن لیں۔ پھر رائے دیجیے گا۔" محمود نے کہا اور ساری تفصیل سنا دی۔ اس کے خاموش ہونے پر فرزانہ بولی:

"یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اس عورت کا بھائی وہاں ملازم کے روپ میں کیوں رہ رہا ہے۔"

"ایسا لگتا ہے۔ عورت اور عورت کا بھائی بھی اس کے کاروبار میں برابر کے شریک ہیں اور اس نے ان دونوں کو پہلے ہی پوری طرح خبردار کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تم وہاں سے کچھ بھی برآمد نہیں کر سکے۔ بہرحال اب تمھارا کیا پروگرام ہے؟"

"ہم رات کو وہاں جائیں گے اور پوری طرح سے تلاشی لیں گے۔"

"بہت خوب! اچھا پروگرام ہے۔" انھوں نے مطمئن ہو کر کہا۔

"آپ نے اب تک کیا کیا؟"

"میں تو بس ذہن دوڑاتا رہا ہوں۔"

"ذہن دوڑا دوڑا کر آپ کس نتیجے پر پہنچے؟"

"اس نتیجے پر کہ اگر مجرم سے رجسٹری والی غلطی نہ ہوئی ہوتی تو اس بار مجرم کو پکڑنا انتہائی مشکل ہو جاتا۔ بلکہ ہمیں دانتوں پسینہ آ جاتا۔"

"وہ تو خیر ہے — لیکن مجرم کہاں ہے؟" فرزانہ مسکرائی۔

"ہاں! یہ پہلو بہت اہم ہے اور میں رات کو اسی رخ سے کام کروں گا۔"

"گویا آپ الگ کام کریں گے اور ہم الگ — تب بھی آپ اپنے ساتھ اپنی فورس کے کسی آدمی کو ضرور لے لیجیے گا — ہمارا واسطہ ایک خطرناک ترین گروہ سے ہے۔"

"میرا خیال ہے — میں خان رحمان کو ساتھ لے جاؤں گا۔"

"چلیے ٹھیک ہے۔"

اور پھر رات کو وہ تینوں مجرم کی کوٹھی کے پاس پہنچ گئے — اکرام کے ماتحت چوکس تھے — ان سے معلوم ہوا کہ نہ کوئی آیا، نہ کوئی گیا — حالات جوں کے توں ہیں — اب انھوں نے کوٹھی کے پچھلے حصے کا رخ کیا — دن کو وہ جائزہ لے ہی چکے تھے — اس طرف پائپ موجود تھا — فاروق وقت ضائع کیے بغیر اوپر چڑھ گیا — لیکن اوپر پہنچ کر اس کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملا۔

"حیرت ہے — اس نے کوئی اشارہ نہیں دیا۔"

"یا تو وہ الجھ گیا ہے — یا کسی بات پر حیرت زدہ ہو گیا ہے۔"

"پھر — اب کیا کریں؟"



"میں اوپر جاتا ہوں۔"

"کیا اس طرح اوپر جانا عقل مندی ہو گی؟" فرزانہ بولی۔

"پتا نہیں — لیکن اب ہم فاروق کو خطرے میں چھوڑ کر پیچھے بازگشت تو کر نہیں سکتے۔"

"اچھی بات ہے — جاؤ۔"

محمود اوپر چڑھ گیا — منڈیر کے نزدیک پہنچ کر اس نے سر ابھارا — اور چھت کو خالی پا کر اوپر چڑھ گیا — فرزانہ بدستور اوپر دیکھ رہی تھی — اس نے محمود کو نظروں سے اوجھل ہوتے دیکھ کر سرد آہ بھری — پھر جب اس کی طرف سے بھی کوئی اشارہ نہ ملا تو وہ سادہ لباس والوں کی طرف آئی — انھیں صورتِ حال بتائی اور خود بھی اوپر چڑھنے لگی — چھت اسے بھی خالی نظر آئی — لہٰذا وہ اوپر چڑھ گئی — لیکن فوراً ہی اس کے سر پر کوئی وزنی چیز لگی اور وہ چکرا کر گری —

ہوش آیا تو تینوں بندھے ہوئے تھے — انھیں کرسیوں کے ساتھ باندھا گیا تھا — ان کے سامنے سرور لبانا، اس کی بیگم اور ایک تیسرا آدمی بیٹھے تھے — وہ اسے بہت اچھی طرح جانتے تھے — وہی اس کیس کا مجرم تھا۔

"تو تمھیں ہوش ہو گیا۔" اس کی طنزیہ آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی —

"ہاں! شاید آ رہی گیا ہے۔"

"انسپکٹر جمشید نہیں آئے تمہارے ساتھ؟"

"نہیں۔" محمود نے کہا۔

"میرا خیال تھا — تمہارے ساتھ وہ بھی آئیں گے — اور ایک ہی بار میرا کام مکمل ہو جائے گا۔"

"تو انہیں بھی بلا لیتے ہیں۔" محمود نے سرسری انداز میں کہا۔

"بات معقول ہے — انہیں فون کرکے بلا لو۔" اس نے سرد آواز میں کہا۔

فون اس کے قریب کر دیا گیا اور نمبر ملا کر ریسیور اس کے کان سے لگا دیا گیا — دوسری طرف سے ان کی والدہ کی آواز سنائی دی تو وہ بولا:

"السلام علیکم امی جان — ابا جان ہیں گھر میں؟"

"نہیں — تمہارے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی وہ چلے گئے تھے۔"

"بہت خوب! لیکن کہاں؟"

"تم جانتے ہی ہو — وہ مجھے کب بتا کر جاتے ہیں۔"

"اچھی بات ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ریسیور رکھ دیا —

"وہ گھر میں نہیں ہیں۔"

"دفتر کے نمبر ملاؤ۔" مجرم نے سرود لبانا سے کہا۔



دفتر کے نمبر ملا کر ریسیور اس کے کان سے لگا دیا گیا:

"السلام علیکم — ابا جان ہیں؟"

"نہیں — وہ کہیں گئے ہوئے ہیں۔" اکرام نے کہا۔

"شکریہ انکل۔" یہ کہہ کر اس نے ان کی طرف دیکھا۔

"وہ دفتر میں بھی نہیں ہیں۔"

"ان کے دوست خان رحمان کے نمبر ملاؤ۔" مجرم نے جتا کر کہا۔

سرود لبانا نے خان رحمان کے نمبر ملائے اور ریسیور محمود کے کان سے لگا دیا:

"السلام علیکم آنٹی — کیا انکل ہیں گھر میں؟"

"نہیں — کہیں کام گئے ہیں۔"

"میرے ابا جان ہیں؟"

"وہ بھی نہیں ہیں۔"

"لیجیے جناب — وہ وہاں بھی نہیں ملے۔"

"پروفیسر داؤد کے نمبر ڈائل کرو۔" مجرم نے جھلّاتے ہوئے انداز میں کہا۔

سرود لبانا نے ایک بار پھر نمبر ملائے — محمود نے اپنے والد کے بارے میں پوچھا — پروفیسر داؤد سے بھی انہیں یہی اطلاع ملی کہ وہ وہاں نہیں ہیں۔

"آخر وہ کہاں ہیں؟" اس نے چلا کر کہا۔

"ہمیں معلوم تو ہے — لیکن بتائیں گے نہیں۔" محمود مسکرایا۔

"کیا کہا — معلوم ہے — تو پھر پہلے کیوں نہیں بتایا تھا — لوہے کی سلاخیں گرم کرو۔"

"ان سے کیا ہوگا؟"

"ان سے تمہارے جسم داغے جائیں گے — یا تو تم یہ بتاؤ گے کہ انسپکٹر جمشید کہاں ہیں — یا پھر اپنے پورے جسم جلوا ڈالو گے۔"

"اللہ مالک ہے۔" محمود نے کہا۔

"میں نے کیا کہا ہے — سلاخیں گرم کرو۔" اس نے غرا کر کہا، سرور بابانا اور عورت سہم کر اٹھ گئے۔

جلد ہی وہاں دہکتے انگارے موجود تھے اور ان کے درمیان لوہے کی تین سلاخیں موجود تھیں۔

"ادھر سلاخیں گرم ہوں گی — ادھر تم فر فر بولنے لگو گے۔"

"خام خیالی ہے تمہاری۔" فاروق نے منہ بنایا۔

"ابھی معلوم ہو جائے گا۔" اس نے جھلا کر کہا۔

"معلوم ہمیں نہیں — تمہیں ہو جائے گا۔"

عین اس وقت دروازے پر زور دار انداز میں دستک دی گئی۔



"اوہ! یہ کون آ گیا؟"

"وہی جس کا انتظار تھا۔" فاروق مسکرایا۔

"کیا مطلب — کس کا انتظار تھا؟"

"آپ کو ہمارے والد کا انتظار تھا نا — بس سمجھ لیں، وہ آ گئے ہیں۔"

"اوہ نہیں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"تھوڑی دیر پہلے تو ان کا پوچھ رہے تھے — اور انہیں ادھر اُدھر تلاش کرا رہے تھے نا — اب ان کی آمد کا سن کر ہاتھوں کے طوطے کیوں اڑ گئے؟"

"پہلے میں یہ خیال کر رہا تھا کہ تم لوگ میرے جال میں پھنس گئے ہو — اب میں یہ خیال کر رہا ہوں کہ تم نے میرے گرد جال پھیلایا ہے، لیکن خیر — میں نبٹ لوں گا۔"

"تو ذرا جلدی نبٹ لیں — ہم اس طرح کب تک بندھے رہیں گے۔" فاروق نے بُرا سا منہ بنایا۔

"جاؤ — دروازہ کھول دو اور جو کوئی بھی ہے — اندر لے آؤ۔" اس نے مسکرا کر کہا۔

"او کے سر۔" سرور بابانا نے حیرت زدہ انداز میں کہا۔

اور پھر وہ کمرے سے نکل کر بیرونی دروازے پر پہنچا — دروازہ کھولا تو وہاں سادہ لباس والے چار آدمی موجود تھے۔

"کیا بات ہے جناب؟"

"ہمارا تعلق پولیس سے ہے۔"

"اچھا تو پھر؟"

"ہمارا خیال ہے۔اس عمارت میں کچھ لوگوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ہم اندر کی تلاشی لیں گے۔"

"آئیے اندر۔"

وہ انھیں ساتھ لے کر اسی کمرے میں آیا اور سب لوگ دھک سے رہ گئے۔



# خوفناک

اندر صرف محمود، فاروق اور فرزانہ تھے۔ مجرم غائب تھا۔ نہ اس کی بیوی موجود تھی۔

"ہائیں! یہ لوگ کہاں چلے گئے؟" سرور لبانا نے حیران ہو کر پوچھا۔

"آپ کے دروازے کی طرف جاتے ہی وہ اس سامنے والے کمرے میں چلے گئے تھے۔ہم نے دروازہ بند ہونے کی آواز سُنی تھی اور بس۔"

"اوہ!" سادہ لباس والے ایک ساتھ بولے اور اس دروازے کی طرف لپکے، لیکن وہ اندر سے بند تھا۔

انھوں نے دروازہ دھڑ دھڑایا، مگر دوسری طرف سے کوئی آواز سنائی نہ دی۔

"اب دروازہ توڑنا پڑے گا۔"

"تم توڑنا شروع کرو، تم میں سے ایک ہمیں کھول دے۔" محمود

نے کہا۔

اور پھر انھیں کھول دیا گیا — اب سب نے مل کر دروازے کو دھکا لگایا تو وہ ٹوٹ کر دوسری طرف گرا — لیکن کمرہ خالی پڑا تھا — اور اس کا دوسرا دروازہ اندر سے بند تھا۔

"بہت خوب! اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ اس کمرے سے کوئی خفیہ راستا ضرور نکلے گا — اسی راستے سے باس اور اس کی بیگم غائب ہوئے۔"

"بالکل ٹھیک۔" وہ ایک ساتھ بولے۔

اب تو ان پر جوش طاری ہو گیا — انھوں نے کمرے کا بغور جائزہ لینا شروع کیا — آخر ایک جگہ ایک سیاہ بٹن فرش میں نظر آ گیا — وہ سفید پلاسٹک کے ٹکڑے سے چھپایا گیا تھا — اس کو جو دبایا تو فرش میں سیڑھیاں نظر آئیں — سیڑھیاں انھیں ایک تہ خانے میں لے کر گئیں — تہ خانے میں بلب جل رہا تھا — اس کی روشنی میں انھیں ایک سرنگ سی نظر آئی — انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ — اس سرنگ میں چلنا شروع کر دیا — انھیں کافی دیر تک چلنا پڑا — آخر کار سرنگ سے وہ پھر ایک کمرے میں داخل ہوئے — اس کمرے سے بھی سیڑھیاں اوپر جا رہی تھیں اور اوپر گھپ اندھیرا تھا — وہ دبے پاؤں اوپر چڑھنے لگے۔



"ف ف — فاروق!" محمود نے سرگوشی کی۔

"گگ — کیا بات ہے؟"

"یار وہ — تمھاری جیب میں پنسل ٹارچ ہوا کرتی ہے۔"

"ہوا تو ضرور کرتی ہے — لیکن اس قدر گھپ اندھیرے میں کس طرح نکالوں — اگر اس کی بجائے کوئی اور چیز نکل آئی تو؟"

"حد ہو گئی — بھئی کوئی اور چیز نکل آئی تو دوبارہ ہاتھ جیب میں لے جانا — آخر کو نکل ہی آئے گی۔"

"جب آخر کو نکل آئے گی تو شروع میں کوشش کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"حد ہو گئی — ارے بھئی — اگر اب کوشش نہیں کرو گے تو آخر تک کیسے پہنچو گے۔"

"اوہ ہاں! یہ بات بھی ہے۔"

"تو پھر نکالو ٹارچ۔"

فاروق نے بار بار جیب میں ہاتھ ڈالا، لیکن ٹارچ نہ ملی، آخر اس نے کہا۔

"شاید ٹارچ کہیں گر گئی — اوہ یاد آیا — اس میں سیل ختم ہو گئے تھے — میں نے سیل تبدیل کرنے کے لیے جیب سے نکالا تھا اس کو۔"

"تو سیل ڈال کر جیب میں رکھا کیوں نہیں اس کو؟" محمود نے جل کر کہا۔

"یاد نہیں رہا تھا۔"

"حد ہو گئی — اب اندھیرے میں ہم کیا کریں؟"

"وہی — جو مجرم نے کیا ہوگا۔" فاروق نے فوراً کہا۔

"اور مجرم نے کیا کیا ہوگا؟"

"یہ کہ ٹٹول ٹٹول کر اس عمارت کے بیرونی دروازے تک پہنچ گیا ہوگا اور باہر نکل گیا ہوگا۔"

"تو پھر آؤ — یونہی کر لیتے ہیں۔"

وہ آگے بڑھتے رہے — اچانک ان میں سے کوئی گرا اور پھر انھوں نے اس کی چیخ کی آواز سنی:

"کک — کیا ہوا بھئی؟"

"م — میں — رک جائیں — آپ سب وہیں رک جائیں — آگے بہت پھسلن — پھس — پھس — پھس" اس کی آواز ڈوبتی چلی گئی۔

"شاہد میاں — کیا آپ بے ہوش ہو گئے ہیں؟"

لیکن شاہد میاں کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا —

"شاید اس کے سر پر چوٹ لگی ہے، اس لیے بے ہوش ہو گیا ہے۔"



"ٹارچ کو بھی آج ہی گم رہنا تھا۔"

"ایسا کرتے ہیں..."

اس کے الفاظ درمیان میں رہ گئے — انھیں عجیب وغریب کھسر پھسر کی آواز سنائی دی تھی — ساتھ میں تکلیف بھری کراہیں اور سسکیاں بھی —

"ارے باپ رے — یہ — یہ کیا ہو رہا ہے — یار فاروق خدا کے لیے ٹارچ..."

"اب میں — ارے باپ رے — یاد آیا — ایک لائٹر بھی تو ہوتا ہے میری جیب میں۔"

"ارے تو نکالو اسی کو — عقل سے پیدل انسان — اتنی دیر بعد یاد آیا تمھیں لائٹر۔"

"اور خود تمھیں — تمھیں کون سا جلدی یاد آ گیا — یہ بات تو تمھیں بھی معلوم ہے کہ میں لائٹر بھی رکھتا ہوں۔"

"اچھا بابا — ہماری بھی اتنی ہی غلطی ہے — اب تم لائٹر نکالو۔"

"تت تلاش کر رہا ہوں۔" فاروق ہکلایا۔

"پتا نہیں — تمھاری تلاش کب ختم ہوگی۔"

"جونہی لائٹر ملا، تلاش ختم ہو جائے گی۔" فاروق نے کہا۔

"خدا تم سے سمجھے۔" محمود نے جھلا کر کہا۔

"وہ تم سے بھی سمجھے گا۔" فاروق نے جل کر کہا۔

"حد ہو گئی — نہ موقع دیکھتے ہو، نہ محل — یہ وقت بھلا باتوں کا ہے۔" فرزانہ نے جھلا کر کہا۔

"نہیں! لائٹر نکالنے کا ہے — لیکن میں لائٹر نکالنے کا کام زبان سے نہیں کر رہا۔"

"لیکن اس طرح تمہارا دھیان تو بٹے گا۔"

"لیکن تم بھی تو خاموش نہیں ہو رہے۔" فاروق نے تیز آواز میں کہا۔

"اچھا یہ لو — اب ہم ہرگز نہیں بولیں گے۔"

"اور لو کیا — اوّل تو میں اندھیرے میں کچھ لینے کے قابل نہیں — اور تم دو گے کیا کنجوس کہیں کے۔"

"معلوم ہو گیا — تم لائٹر نہیں نکالو گے اور ادھر ہمارا ایک ساتھی نہ جانے کس مصیبت میں گرفتار ہے۔"

"اوہ! یہ مل گیا — خدا کا شکر ہے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی لائٹر روشن ہو گیا — اس کی مدھم سی روشنی میں انھوں نے اپنے ساتھی کو غائب پایا — وہ آس پاس کہیں بھی نہیں تھا — البتہ ان سے کچھ فاصلے پر بالکل ایسا ہی درخت موجود تھا — جس قسم کا درخت وہ نیلے رنگ کی عمارت میں دیکھ چکے تھے۔



"اُف مالک! کک — کہیں ہمارا ساتھی اس درخت کے ہتھے تو نہیں چڑھ گیا؟"

"نن — نہیں۔" فاروق چلایا۔

"اس کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے — ہم نے اس کے گرنے کی آواز سنی تھی — وہ ضرور اس درخت کے لیس دار مادے سے پھسل کر گرا تھا اور اس کے ساتھ ہی درخت کے پتوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔" محمود نے ڈرے ڈرے انداز میں کہا۔

"نن — نہیں۔" وہ چلائے — یہ بات اس قدر خوفناک تھی کہ انھوں نے اپنے جسموں میں کپکپاہٹ محسوس کی۔

"اُف مالک! یہ کیا ہو گیا؟"

"وہ ہو گیا جس کے بارے میں ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی لائٹر بجھ گیا — شاید اس میں پٹرول ختم ہو گیا تھا۔

"یہ سونے پر سہاگہ ہو گیا — اب ہم اس درخت سے بچ کر کیسے نکلیں — دروازے تک جانے کے لیے درخت کے نزدیک سے ہو کر گزرنا پڑے گا — اور اس کے نزدیک ہونے کا مطلب ہے — موت۔"

"تب پھر واپس چلے چلتے ہیں۔"

"تمھارا مطلب ہے — سرنگ میں؟"

"ہاں اور کیا — ہمارے پاس اور کوئی راستا نہیں ہے — روشنی ہوتی تو بھی بات تھی۔"

وہ واپس مڑے — اور پھر وہ دھک سے رہ گئے — ہاتھوں سے ٹٹولنے پر انھیں معلوم ہو گیا کہ سرنگ والا دروازہ بند ہو چکا تھا — اور وہ اندھیرے میں اس کو نہیں کھول سکتے تھے — اب ان کی کمر کی طرف دیوار تھی اور منہ کی طرف وہ درخت — اس سے بچ کر وہ دروازے پر نہیں جا سکتے تھے کہ دروازے پر نہ جاتے تو باہر کیسے نکلتے:

"بہت برے پھنسے۔"

"ہاں! اس میں شک نہیں۔" ایک آواز لہرائی — وہ یہ آواز پہلے سن چکے تھے — مجرم کی تھی —

"تم — کون ہو؟" ایک سادہ لباس والا ہکلایا۔

"وہی جو تم لوگوں کو یہاں تک لے آیا ہے، لیکن یہاں سوائے موت کے اور کچھ نہیں ہے۔"

"کم از کم ہمیں اندھیرے میں مرتے ہوئے بہت ڈر لگتا ہے — تھوڑی سی روشنی ہو جائے۔"

"ضرور کیوں نہیں — میں لوگوں کی آخری خواہش ضرور



پوری کرتا ہوں۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی وہاں روشنی پھیل گئی — انھوں نے اپنے سے کافی دور ایک گیلری میں مجرم کو دیکھا — اس کے ہاتھ میں ایک کلاشن کوف بھی تھی۔

"اگر تم لوگ کسی طرح اس درخت سے بچ بھی جاؤ تو بھی میں تمھیں ٹھکانے لگا دوں گا — یہ کلاشن کوف اسی مقصد کے لیے ہے۔"

"لیکن ہم نے آپ کا کیا بگاڑا ہے — یہ بھی تو بتا دیں۔"

"ابھی تم لوگوں کو زندہ چھوڑتا ہوں تو خود مرتا ہوں — پھر تم مجھے نہیں چھوڑو گے۔" اس نے کہا۔

"لیکن صرف ہم لوگوں کو مار کر آپ کیسے بچ جائیں گے — ہمارے ابا جان جو زندہ سلامت ہیں۔"

"وہ یہاں پہنچ جائیں گے، ان کا بندوبست بھی کر لوں گا۔"

"بلکہ میں پہنچ چکا ہوں۔"

"اوہ نہیں۔" وہ زور سے اچھلا۔

انھوں نے دیکھا — انسپکٹر جمشید ایک تاریک گوشے سے نکل کر ان کے سامنے آ گئے تھے۔

"ایس پی ڈابا صاحب — اب آپ اس ملک کو مزید پریشان نہیں کر سکیں گے۔"

انھوں نے دیکھا — ان کے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا جدید

پستول تھا — ڈابا کے ساتھ اس کی بیوی بھی تھی۔

"ہاتھ اوپر اُٹھا دو۔" وہ سرد آواز میں بولے۔

"ل — لیکن — تم یہاں کیسے پہنچ گئے؟" ڈابا کے لہجے میں حیرت تھی۔

"جب مجھے یہ بات معلوم ہو گئی کہ مجرم تم ہو — تو ساتھ ہی یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ نیلی عمارت سے نکلنے کا بھی کوئی دوسرا راستا ہے — ورنہ مجرم عمارت میں کیوں نہ ملا — اور ظاہر ہے، وہ اپنے لگائے ہوئے درخت کی لپیٹ میں خود تو آ نہیں سکتا تھا — لہٰذا سب کے سامنے عمارت میں داخل ہونے والا ایس پی کہاں چلا گیا — جب میں نے اس پہلو پر غور کیا تو پھر اس کا جائزہ لینا شروع کیا — یہاں تک کہ میں نے وہ خفیہ راستا تلاش کر لیا جس سے تم یہاں سے نکل گئے تھے اور وہ خفیہ راستا ہی سُرنگ تھی — جو تمہارے گھر تک جاتی ہے، لہٰذا میں بھی ان کا تعاقب کرتے ہوئے یہاں تک پہنچا ہوں، جب کہ یہ راستا میں پہلے ہی دیکھ چکا تھا — یہ اور بات ہے کہ یہ جگہ اس عمارت کا پچھلا حصّہ ہے — اور اس طرف آنے کا راستا دوسرا ہے — ہم نے جب عمارت کی تلاشی لی تھی — تو اس وقت یہ حصّہ نظروں سے اوجھل ہی رہا تھا،



گویا یہ عمارت اس لحاظ سے بھی پُر اسرار ہے کہ جب اس کی تلاشی لی جاتی ہے تو اس کا یہ حصّہ تلاشی لینے والوں کی نظروں سے پوشیدہ رہتا ہے، لیکن سُرنگ کے راستے آدمی پہلے اس حصّے میں آتا ہے اور اس طرف بھی تم نے یہ درخت لگا رکھا ہے۔"

"ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو — مجھے تمہاری طرف سے پہلے ہی دھڑکا لگا ہوا تھا — کیونکہ تم بہت مدّت سے مجھ پر شک کر رہے تھے، لہٰذا میں نے یہ ڈراما رچایا تھا۔"

"ڈراما رچایا تھا — کیا مطلب؟" فاروق نے چونک کر کہا۔

"اپنے ایک آدمی کے پیچھے خود ہی دو پولیس والے لگا دیے — جب اس نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تو میں نے اس عمارت کا پتا اسے دیا کہ وہ وہاں پہنچ جائے، وہاں وہ بالکل محفوظ ہو گا — اور خود سُرنگ کے ذریعے سے آ کر دروازہ اندر سے کھول دیا — وہ سیدھا اندر آیا اور دروازہ بند کر کے آگے بڑھا — اور درخت کا شکار ہو گیا — میں اس دوران واپس پہنچ چکا تھا — لہٰذا میں نے پروگرام کے مطابق خود کو بھی دوسروں کی طرح غائب کر دیا — تاکہ میرا سراغ نہ لگایا جا سکے — لیکن مجھ سے بے وقوفی ہوئی — کیونکہ مجھے اپنے گھر سے اپنی بیوی کو اور اپنے

بھائی کو بھی غائب کر دینا چاہیے تھا — میں نے اس امید پر انھیں وہیں رہنے دیا کہ شاید تم کبھی میرے بارے میں نہ جان سکو — اس طرح میں اس گھر میں رہ سکوں گا اور اپنا کام جاری رکھ سکوں گا — لیکن ایسا نہ ہو — اور اب ...!"

"اور اب کیا؟" انسپکٹر جمشید مسکرائے۔

"تم لوگ مجھے قانون کے حوالے نہیں کر سکو گے۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ ...!" یہ کہہ کر اس نے اپنی بیوی سمیت اس درخت کی طرف چھلانگ لگا دی —

"ارے ارے — رک جاؤ — میں دنیا کو تمہارا مکروہ چہرہ دکھانا چاہتا ہوں — بلکہ گھناؤنا چہرہ" یہ کہہ کر انھوں نے ان کی ٹانگوں پر مسلسل فائر کر ڈالے — ان کی ٹانگوں سے خون بہنے لگا — لیکن اس کے باوجود وہ بیل دار پودے پر جا گرے — جونہی وہ گرے — پتے ان پر جھک گئے، انھوں نے آن کی آن میں ان دونوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا —

انسپکٹر جمشید نے ان پتوں پر فائرنگ اس طرح شروع کر دی کہ گولیاں انھیں نہ لگیں اور پتوں کا تعلق درخت سے





کٹ جائے — لیکن ایسا بھی نہ ہو سکا — پتوں میں سوراخ ضرور ہو گئے — لیکن وہ درخت سے الگ نہ ہو سکے — کوئی تلوار ان کے پاس تھی نہیں کہ کاٹ ہی ڈالتے اور نزدیک جا نہیں سکتے تھے — لہذا وہ دونوں پوری طرح پتوں میں چھپ گئے اور وہ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ ہولناک منظر دیکھنے لگے — انھیں یوں لگ رہا تھا — جیسے پتے منہ چلا رہے ہوں اور انھیں باقاعدہ چبا رہے ہوں — وہ دم بخود کھڑے تھے — قدرت کے اس شاہکار درخت کے سامنے ان کی ایک نہیں چلی تھی — قدرت نے انھیں وہی سزا دے دی تھی — جو وہ دوسروں کو دیتے رہے تھے —